انوارش طلوع شدہ مغزی باید کہ سخنش رابفہمد ود می باید کہ معافی آن دروی امکان پزیرد "(خزینتہ الاصفیاء ۱۷۵ جلد اول)۔

دارا کا دیوان نایاب تھا، مگر ابھی حال ہی میں خان بہادر ظفر الحسن صاحب (محکمہ آثار قدیمہ) کو اوس کے ایک دیوان کا نسخہ ملا ہے۔موصوف نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک ماہانہ جلسہ (جولائی ۳۹ء) کے مضمون میں یہ بتایا ہے کہ اس دیوان میں دارا کی ۱۴۳ غزلیں اور ۲۸ رباعیات ہیں اور یہ نسخہ دارا کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا، اب تک اس دیوان کی طباعت نہ ہوسکی ہے لیکن شاید علی گڑھ کی مجلسِ تاریخ کی طرف سے بہت جلد شائع ہونے والا ہے، مختلف تذکروں میں ہم کو دارا کے جو جستہ جستہ اشعار ملے ہیں۔ان کو ناظرین کی دل چسپی کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں، اس سے دارا کے ذوقِ شعری کا اندازہ ہوگا۔

تذکرہ سرخوش:

ہر خم و پیچی کہ شد از تاب زلفِ یار شد
دام شد زنجیر شد تسبیح شد زنار شد

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود
چون بزلفِ او رسید آخر پریشانی کشید

بشکست دلِ ابلہ از گردش پایم
در کار من اینہم گرہی بود کہ واشد

بقدر مال باشد سرگرانی
زورن زر فزاید بار دستار

بخیہ برفرقہ فنا کیشان
موج آب حیات را ماند

ہمہ چیز تو خوب لیک این بد
کہ تو بسیار دیر می آئی

Marfat.com
Marfat.com

تــا دوسـت رسـیدیـم چـواز خـویـش گـز شتیم
از خـویـش گـذشـتـن چـه سبـارك سفـری بود

مخزن الغرائب: رباعی

مـعـروف شـدم تـا کـه بعرفان گشتم — عارف شدم وز خویش عریان گشتم
پیدا کـردی مـرا و لیکن من ہم — پیـدا کـر دم تـرا و قـربـان گشتـم

دیگر

عـارف دل و جـانِ تـو مزین سـازد — خـاریکـه بود پـاش گلشن سـازد
کـامـل ہمـه را زنقص بیرون آرد — یك شـمـع ہزار شمع روشن سازد

حسنات العارفین میں داراشکوہ نے شطحیات کی تائید حمایت میں بہ کثرت اشعار نظمیں اور رباعیات لکھی ہیں، ان میں جو اشعار اور رباعیاں اوس نے اپنی طرف منسوب کی ہیں۔ ان کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں مثلاً وہ اس مضمون کو کہ ذاکر مذکور سے غافل ہوسکتا ہے، مگر اوس کا غافل ہونا عوام کے غافل ہونے سے مختلف ہے، یوں ادا کرتا ہے۔

خوش گرچه بیاد خود نشستن ہمه وقت — ایـن قیـد چـه لازم سـت برمن ہمه وقت
غـافـل شـدنِ خـلق زحق از حق ست — خـود راتعب است یاد کردن ہمه وقت

یا توحید کی حقیقت خود توحید کو فراموش کرنا ہے۔

تـوحید خموشی ست و فکر است مدام — بحـث آمـد و شـد زدستِ توحید تمام
یك گفتـن تـوبـه بین قوی ثابت کرد — تـوحیـد رود ز نـقـط چـون گیری نـام

ابوعبداللہ خفیفؒ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے تو فرمایا

"غفلت راہم وجود الله دانستن"

دارا نے اس نکتہ کو اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہر چـنـد کـه خـلق زا گرفته کوبی — غـفـلـت شـده است برهمه مستولی

Marfat.com
Marfat.com

مشغول بحق ست بفہمد یا نہ ہر کس کہ بہر چیز کند مشغولی

جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے، اوس کے لیے ایمان کا سوال باقی نہیں رہتا۔

کافر گفتی تو از پے آزارم این حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم من مذہب ہفتادہ و ملت دارم

منصور نے صرف اپنے میں خدا کو دیکھا لیکن عارف ہر چیز میں خدا دیکھتا ہے۔

عارف بخود اطلاق خدائی نکند از ذات لطیفِ خود جدائی نکند
گر بندہ کسے بود خدا او باشد چون جملہ خدا ست خود نمائی نکند

توحید علم سے حاصل نہیں ہوتی ہے، کہنا اور ہے اور ہوتا کچھ اور ہے۔

خواہی کہ شوی داخلِ اربابِ نظر از قال بحال بایدت کرد گذار
از گفتن توحید موحد نشوی شیریں نشود دہان زنامِ شکر

عارف کسی کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔

ہر دم برسد بعارفان ذوقِ جدید خود مجتہداند نے ز اہل تقلید
شیران نخورند جز شکارِ خودرا روباہ خورد فتادہ لحم قدید

دنیا کی تمام چیزوں کو معرفت حاصل ہے لیکن یہ راز صرف عارف کو معلوم ہوتا ہے۔

توحید شناخت ہر کرا حالی نیست در راہ طلب ہمت او عالی نیست
خوش آنکہ بیان خویش حق را بشناخت اودرہمہ جاست ہیچ جا خالی نیست

عرفان اپنے کو پہچاننے نہ کہ اپنے کو فنا کر دینے میں ہے۔

کے کار تو در شمار حق حق می آید قلبے تو در اعتبار حق می آید
باید کہ تو عین خویش دانی حق را فانی شدنت چہ کار حق می آید

بر عارف اطلاق مردن جایز نبود چہ جان بجانان پیوست

آب آب شد و خاک خاک و ہوا ہوا و آتش آتش۔

بیرون و درون کوزہ پر بود ہوا پیچید درون کوزہ آواز صدا

Marfat.com
Marfat.com

کوزہ بشکست و گشت آواز آواز　　بشکست حباب و گشت عین دریا

خدا کا نام لے کر ذکر کرنا غفلت کا باعث ہے۔

ہستی وجود خویشتن کردم رد　　گردید مساویم ہمہ نیك وبد

اکنون نتوان نام خود و نامبش برد　　گرنام بگیرم زمن اومی رنجد

فقیر اور عارف کا کوئی نام نہیں ہوتا۔

یك ذرہ ندیدیم ز خورشید سوا　　ہر قطرہ آب ہست عین دریا

حق را بچہ نام کس نتواند خواندن　　ہرنام کہ ہست ہست از اسماء خدا

داراشاہ دلربا کو ایک رقعہ میں لکھتا ہے کہ اس کے دل سے اسلام مجازی محو ہو گیا اور اب کفر حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے اور اس کفر حقیقی کی قدر معلوم کرنے کے بعد وہ زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشین ہو گیا ہے اور اس کے لیے کسی چیز کے اقرار و انکار کا سوال باقی نہیں رہا ہے۔[1]

مسلمان گربدانستے کہ بت چیست　　بدانستے کہ دین دربت پرستی است

اگر کافر ز اسلام مجازی گشت بیزار　　کرا کفر حقیقی شد پدیدار

درون ہر بتے جا نیست پنہان　　بزیر کفر ایمانیست پنہان

بترسازا دہ دادم دل بیك بار　　مجرد گشتم از اقرار و انکار

داراشکوہ نہ صرف شاعر تھا، بلکہ شاعروں کا سرپرست اور مربی بھی تھا۔ میر رضی دانش مشہد سے ہندوستان آیا، تو دارا ہی کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو کر درجہ عروج پر پہنچا۔ مراۃ الخیال کا مؤلف میر رضی دانش کے ذکر میں لکھتا ہے۔

"از تربیت کردہائے شاہ بلند اقبال سلطان دارا شکوہ است و بدست یاری استعداد و پایمردی طالع بمحفل ہمایونش راہ دانست"۔

---

[1] رقعات عالمگیر مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی ص ۳۲۳

Marfat.com
Marfat.com

رضی دانش کے متعلق مخزن الغرائب میں ہے۔

"شاہزادہ دارا شکوہ ...... ویرا تربیت کلی فرمودہ از باعث قدر دانی شہزادہ نہایت عزت و شہرت ہند یافت"۔

مراۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے کہ رضی دانش کی مندرجہ ذیل غزل پر دارا نے ایک لاکھ روپے بطور انعام دیے[1]

موسم آن شد کہ ابر تر چمن پرور شود	نکہت گل مایہ شورِ جنون در سر شود
تاک را سیراب ساز اے ابرنیسان در بہار	قطرہ تامے میتوا ند شد چرا گوہر شود
نالہ بلبل نہان در پردہ برگ گل است	بیدماغم کاش ازین یلک پردہ نازک تر شود
مابذوق گریۂ ہستی درین بزم آمدیم	می بدہ ساقی بقدر آنکہ چشمم تر شود
راز پوشیدن نیاید دانش از بے تاب عشق	درمیان انجمن پروانہ خاکستر شود

مراۃ الخیال میں ہے کہ دارا کو مطلع بہت پسند آیا، لیکن سرخوش رقم طراز ہے کہ اس کو دوسرا شعر مرغوب ہوا، چناں چہ اس شعر کو مصرع طرح بنا کر شعراء کو غزلیں لکھنے کی فرمایش کی، اوس نے بھی اس پر ایک غزل کہی، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

سلطنت سہل است خود را آشنائی فقر کن
قطرہ تا دریا تواندشد چرا گوہر شود[2]

داراشکوہ اپنے میر منشی چندر بھان برہمن کی نثر و نظم کی سادگی کا بھی دل دادہ تھا اور یہ مراۃ الخیال کے مؤلف کے لیے باعث تعجب ہے، چناں چہ وہ لکھتا ہے۔

"عجب کہ شاہزادہ باآن ہمہ مستعدان کہ در عرصہ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحہ خاطر ارباب دانش را چون شفقہاے موسمِ بہار بہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود، این معنی خالی از دو چیز نبودہ باشد، یا مذاق شاہزادہ بہمان طرز

---

[1] مراۃ الخیال، کلکتہ ایڈیشن ص ۲۵۸ [2] سرخوش مخفوظہ بنگال ایشیاٹک

Marfat.com
Marfat.com

آشنائی داشت ، یا اوبز ور طالع بدین پایہ رسید"۔

داراشکوہ کو برہمن کا یہ شعر بہت پسند تھا۔

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

داراشکوہ نے برہمن سے شاہجہاں کے سامنے بھی یہ شعر پڑھایا، شاہجہاں سن کر برافروختہ ہوا لیکن افضل خان نے اس کا غصہ سعدی کا یہ شعر پڑھ کر ٹھنڈا کیا۔

خرِ عیسیٰ گرش بمکہ برند چون بیاید ہنوز خرباشد [1]

داراشکوہ فن خطاطی میں بھی یہ طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اسنے شاہجہانی عہد کے مشہور استاذ آقا عبدالرشید دیلمی سے سیکھا اور وہ اس کا بہت ہی محنتی اور لائق شاگرد تھا۔ تذکرہ خوشنویسان میں ہے۔

"دارا شکوہ پسر شاہجہان بادشاہ ،شاگرد عبدالرشید آقاست باوجود اشغال امور شاہزادگی و دیگر علوم برویۂ آقا عبدالرشید شاید کسی مثل او نوشتہ باشد"۔[2]

دارا کو نستعلیق اور نسخ دونوں میں کامل مہارت تھی ۔ پروفیسر محفوظ الحق نے اس کی خطاطی کے بہت سے نمونوں کا ذکر مجمع البحرین کے دیباچہ میں کیا ہے، مثلاً اوس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کلام پاک عزیز باغ لائبریری حیدرآباد دکن میں ہے، اس کے حروف شروع سے آخر تک سنہرے ہیں، ایک مطلا پنجسورہ کا نسخہ بخط نسخ اور ایک "دہ پندارسطو" کا نسخہ بخط نستعلیق وکٹوریہ میموریل ہال میں محفوظ ہے ۔آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں دارا کے خط کی دو کتابیں ہیں، رسالۂ حکمت ارسطو اور شرح دیوان حافظ (فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول ص ۷۳۹) ان کے علاوہ اس کی لکھی ہوئی وصلیاں مختلف جگہوں میں پائی جاتی ہیں، بعض کتابوں پر اس کے دستخط اور مختصر تحریریں بھی ہیں، جو خطاطی کے نادر نمونے کہے جاسکتے ہیں۔

سپہر شکوہ:

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد جب اس کا نو سالہ لڑکا

---

[1] مراۃ الخیال، ص ۱۵ ص ۲۱۴ سرخوش مخطوطہ [2] تذکرہ خوشنویسان ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۵۴

Marfat.com
Marfat.com

اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا، تو عالمگیر نے اس بچہ کا حال پوچھا، بچے نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

ہجر دارا بردلِ من کمتر از یعقوب نیست

اوپسر گم کردہ بودہ من پدر گم کردہ ام

عالمگیر یہ جواب پاکر رنجیدہ ہوا اور بولا بھیڑیئے کو مارنا اور اس کے بچہ کی پرورش کرنا عقل مندوں کا کام نہیں، چناں چہ اس بچہ کو مروا ڈالا، خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے نو سالہ بچے کا نام نہیں لکھا ہے۔ مصنف موصوف کی مراد شاید سپہر شکوہ سے ہو، مگر یہ روایت صحیح نہیں، کیوں کہ عالمگیر نے اپنے سولہویں سال جلوس ۱۰۸۳ھ میں اپنی لڑکی نواب زیدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے حبالہ عقد میں دیا [۲]۔

شجاع و مراد:

شاہجہاں کے لڑکوں میں تخت و تاج کے لیے جو خونریز جنگ ہوئی، اس میں مورخین شجاع اور مراد کا عبرتناک انجام دکھانے میں اس قدر محو ہو گئے کہ ان دونوں کے علمی فضل و کمال کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، حالاں کہ شاہجہاں کے دو لڑکے دارا اور اورنگ زیب جس تعلیم و تربیت کی بدولت آسمانِ علم پر مہر و ماہ بن کر چمکے۔ ظاہر ہے کہ اس سے شجاع اور مراد بھی ضرور فیضیاب ہوئے ہوں گے، مگر جس طرح وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے، اسی طرح ان کے علمی اوصاف بھی صفحہ تاریخ سے گم کر دیئے گئے، لیکن ان دونوں کی علمی قابلیت ان کے رقعات سے اور ان کی علمی نوازی کا حال ان کے درباری شعراء اور متوسلین سے معلوم ہو سکتا ہے۔ شجاع اور مراد کے رقعات مختلف کتابوں میں جستہ جستہ ملتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اورنگ زیب اور دارا کی طرح گو بلند پایہ ادیب اور انشاء پرواز تو نہ تھے، پھر بھی ان کی تحریروں میں اس زمانہ کے ذوق ادب کی پوری چاشنی ضرور ہے۔

شجاع اور مراد دونوں شعراء اور ارباب کمال کے قدردان اور سرپرست تھے، ملا محمود جونپوری شاہجہانی عہد کے بہت ہی ممتاز عالم تھے، فلسفہ میں ان کی تصنیف شمس بازغہ اور معانی و بیان

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء ص ۵، جلد اول [۲] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۸۳، دارالترجمہ حیدرآباد دکن

Marfat.com
Marfat.com

میں فوائد فی شرح الفوائد اب تک بلند پایہ سمجھی جاتی ہے،۱۰۶۲ھ میں جب ان کا انتقال ہوا، تو ان کے استاذ مولانا محمد افضل جونپوری پر اتنا اثر ہوا کہ شاگرد کی وفات کے بعد ان کے لبوں پر کسی نے مسکراہٹ نہیں دیکھی اور کل چالیس روز کے بعد وہ بھی شاگرد سے جا ملے[1] شجاع ملا محمود جونپوری کے فضل وکمال سے فیضیاب ہونا چاہتا تھا، اس لیے ان کو اپنے دربار آنے کی ان الفاظ میں دعوت دی، جس سے اس کے دل میں ان کی عزت واحترام کا اندازہ ہوتا ہے۔

"افادت و افاضت پناہ فضائل و کمالات دستگاہ ملا محمود بضایت بے غایت خسروانی ممتاز گشتہ بداند کہ چون بمیامن برکاتِ الہی خاطرِ فیض مآثر ماہمواره متوجہ آن ست کہ ارباب علم و حکمت و اصحابِ دین و ملت از ملتزمانِ محفل فیض منزل بوده، وقائق علمی و حکمیْ را بموقفِ عرض می رسانیده باشندو آنچہ برضمیر الہام پذیر ما کہ آئینہ صورغیبی و گنجینۂ اسرار لاریبی است پرتو انداختہ باشد، بآن جماعت می فرموده باشیم تا کارہا بروفقِ احکام الہی و سنت نبوی بعمل می آمده باشد بنا بران ارزوے مہربانی یا دآن دانش آگاہ حقائق انتباہ نموده طلب فرموده ایم کہ بدرقۂ الطاف سلطانی طریقِ سعادت پیموده خود را بشرف حضور تمام فیض سراسر سعادت معزز گرداند بعد ازان کہ شرف اندوز سلازمت گرده و وچندے فیض ظاہر و باطن از حضورمعلّی برگیر وا گر خواہد بوطن معا ودت نماید، اورا مشمول عنایات و

---

[1] تذکرۃ العلماء ص ۲۲۱

Marfat.com
Marfat.com

مورد توجہات فرمودہ رخصت انصراف ارزانی خواہیم
داد واگر خواہش بودن درین آستانِ سلطنت آشیان
داشتہ باشد، بنوعے کہ باطمینان دل و ذوقِ خاطر
گذراند، درباب او توجہ مبذول خواہم داشت، باید کہ
بمجرد وصول این منشور کراست و افضال بے توقف
ودغدغہ روانہ عتبہ بوس گردو و در عہد شناسد" ۔[1]

فارسی سخن گویوں میں شیخ منعم لاہوری [2] اور ہندی شعراء میں چنتامن ساکن کوڑہ جہاں آباد شجاع کے مقربین خاص میں تھے۔ چنتامن اپنے عہد کا بہت ہی مشہور سنسکرت کا عالم تھا، اس کی ہندی شاعری کا مجموعہ "کبت بچار" کے نام سے موسوم ہے، اس میں سلطان زین الدین محمد بن شاہ شجاع کی مدح میں بھی بہت سی کتبائین ہیں۔ [3]

شاہزادہ مراد کا سب سے محبوب شاعر سعید قریشی تھا، جو ملتان کا باشندہ تھا، جب مراد کو گجرات کی نظامت تفویض ہوئی، تو سعید قریشی بھی اس کے ساتھ گیا اور اپنی بذلہ سنجی، شیریں بیانی اور شعر گوئی کی بدولت مراد کی نگاہوں میں اتنا چڑھا کہ دربار کے تمام امراء اس پر فریفتہ ہو گئے ۔ مراۃ الخیال کا مصنف اس کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے۔

"بیان بزرگی صوری و شرح حالتِ معنوی و ذکر
وسعت مشرب و اظہار محاسن شیم و ابراز مکارم
اخلاق وادے کشادگی پیشانی و تقریر بے تعینی دقت و
تحریر استعداد سخنش زبان قلم و قلم زبان برنتا بد"۔

اوائل ملازمت میں ایک روز سعید قریشی مراد کے دربار میں پہونچا، تو دارو غہ غسلخانہ نے جو "یکے از چیلہ ہا بود" اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ سعید قریشی نے فوراً یہ رباعی لکھ کر مراد کے پاس بھیجی۔

---

[1] رقعات عالمگیر مرتبہ سید ذیب اشرف ندوی ص ۳۴۲ [2] ان کی شاعری کے نمونے کے لیے ملاحظہ ہو الفرائب قلمی نسخہ ص ۴۰۸ دارالمصنفین اعظم گڑھ [3] مآثر الکرام جلد دوم ص ۳۶۲

Marfat.com
Marfat.com

اے شہ جنابت چو جناب اللہ است ہر حکم تو چون حکم کتاب اللہ است
ایں چلیہ و یو فعل متاعِ درت ابلیس صفت مانع باب اللہ است

مراد رباعی پڑھ کر بہت محظوظ ہوا اور سعید قریشی کو زنان خانے کے علاوہ ہر جگہ آنے جانے کی اجازت دے دی۔

ایک بار عید الضحیٰ کے موقع پر مراد اپنے ہاتھوں سے بکرا ذبح کر رہا تھا، بکرے کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی، مراد نے بکرے کی آنکھ دیکھی، پھر اس کی نظر سعید قریشی کی طرف اٹھی، سعید قریشی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

عید قربانست دمی خواہم کہ قربانت شوم
ہمچو چشمِ گوسند کشتہ حیرانت شوم

ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر مراد کی سواری عیدگاہ جا رہی تھی۔ سعید قریشی مجراء کے لیے حاضر ہوا، مراد نے اس سے دریافت کیا کہ عید الفطر کی تہنیت میں اس نے کچھ کہا ہے یا نہیں، اتفاق سے سعید قریشی نے کچھ نہ کہا تھا۔ یہ پوچھنے کے بعد مراد نماز پڑھ چکا، تو سعید نے غزل پیش کی، مراد شراب کا بڑا دل دادہ تھا۔ اس غزل میں اس کی خاص رعایت رکھی ہے۔

روز عید ست لبِ خشک مے آلود کنید چارۂ کار خود ای تشنہ لبان زود کنید
دیر گاہیست کہ از دیر مغان دور تریم زود باشید بکف جام زرا ندو و کنید
شربت حب نبات لبِ جان بخبش ایاز نوش داروی دل خستہ محمود کنید
حرف بے صرفہ واعظ نتوان کرد بگوش گوش برزمزمہ چنگ ونے وعود کنید
ہست بہبود شما بندگی شاہ مراد بہتر آنست کہ اندیشہ بہبود کنید
شیوۂ صدق چو سرمایہ ہر سود بود ہست امید کزین شیوہ بسے سود کنید

پدرش یافت رہ از طالع مسعود سعید
سعی دریافتن جطالع مسعود کنید[1]

شاہزادہ مراد نہ صرف غزل سے محظوظ ہوا، بلکہ سعید قریشی کی اس بدیہہ گوئی پر بھی حیرت کا اظہار کیا۔

[1] مراۃ الخیال ص ۲۶۳

Marfat.com
Marfat.com

مراد کی رندی اوراس کے دربار کی رنگینیوں کی خبر شاہجہاں کو پہونچی، تو اوس نے اپنے ایک ہوش مند اور زیرک امیر علی نقی کو مراد کی نگرانی کے لیے بھیجا۔ علی نقی سعید قریشی کو ناپسند کرتا تھا، اس لیے دونوں میں اتنا عناد بڑھا کر سعید قریشی کی جان کے لالے پڑگئے، چناں چہ ایک رات مراد کو اطلاع کیے بغیر گجرات سے نکل بھاگا، مراد کو خبر ہوئی، تو اس کی جدائی گوارا نہ کرسکا اور اس کو واپس بلانے کے لیے قاصد دوڑائے، لیکن سعید قریشی نے واپس آنے کے بجائے یہ غزل معذرت میں لکھ بھیجی۔[۱]

مشکل بود بکری تو دیگر نشست ما | پیچیدہ است زلف تو بہر شکست ما
چون سبزہ دردہ تو بجز پا فتادگی | اے سرد من بگولہ چہ آید ز دست ما
دردم کہ بارقیب تو خاطر نشان کند | جز تیر بے خطا کہ برآمدز شست ما
دل بستہ در خیال میان جان بہ بند زلف | سد سکندری شدہ این بندوبست ما

فارغ زوین و کفر شدہ بعد ازین سعید
ما و سر نیاز و بت خود پرست ما

سلطان محمد:

یہ اورنگ زیب عالمگیر کا سب سے بڑا لڑکا اور نواب بائی کے بطن سے تھا۔ اورنگ زیب ایک شفیق اور دوراندیش باپ کی طرح اپنے لڑکوں کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہا، تاکہ اس کے بعد اس کی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا جانشیں لائق اور ہوش مند شخص ہو، مگر اس کی یہ کوشش بارآور نہیں ہوئی۔ سلطان محمد کو مختلف رقعات میں سفر وحضر کی حالت میں سونے جاگنے، نہانے دھونے، کھانے اور پینے، نماز اور وظائف میں مشغول ہونے، لکھنے پڑھنے اور شکار کھیلنے، دربار منعقد کرنے یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے، امراء سے ملنے جلنے اور فوجوں کے معائنہ کرنے وغیرہ کا لائحہ عمل لکھتا رہتا تھا، اس میں خاص اوقات میں کلام پاک کی تلاوت اور عربی زبان کے مطالعہ کی بھی تاکید ہے، مگر سلطان محمد کو تعلیم سے زیادہ شکار سے دلچسپی تھی، اس لیے اورنگ زیب کبیدہ خاطر ہوکر اس کو لکھتا ہے۔

"ما ازین کہ ایشان را پیش از وقت در خدمت، خود بشکار بردہ وایم تاسف داریم، چہ آن بلند اقبال تالذت

[۱] مراۃ الخیال ص ۲۶۳

Marfat.com
Marfat.com

شکار یافتہ اند، از اکتسابِ کمالات از خواندن و نوشتن و مانند آن دست باز داشتہ ، چندان رغبتے باین امور ندارند ایشان راچون خواہم گذاشت کہ بدین شغل از کسب کمال باز مانند"۔

سلطان محمد کو اورنگ زیب کی خاص ہدایت تھی کہ وہ ترکی زبان سیکھ کر اس میں بول چال کی مہارت پیدا کرے، کیوں کہ مغل فوج میں ترکی النسل سپاہی اور افسروں کی تعداد کافی ہوتی تھی ۔ اس لیے ان سے براہ راست تعلق رکھنے کے لیے ترکی زبان کا سیکھنا تیموری شاہزادوں کے لیے ضروری تھا، مگر سلطان محمد کو اس زبان سے رغبت نہ تھی، چناں چہ جب وہ شمالی ہند کی ایک مہم پر روانہ ہوا، تو ترکی کے استاد کو ساتھ نہ لے گیا۔ اورنگ زیب کو یہ ناگوار ہوا، اس نے غصہ کی حالت میں ایک خط لکھا کہ استاد کو اپنے پاس بلا کر ترکی میں گفتگو کرنے کی مشق جاری رکھے۔ سلطان محمد نے اپنے استاد کی پیری اور ناتوانی کا عذر پیش کر کے اغماض کرنے کی کوشش کی، مگر اورنگ زیب نے قبول نہ کیا اور دوبارہ ایک غضب آلود رقعہ لکھا۔

"پیری و ناتوانی اور عذرنمی شود داگر ہاشد ، عذر بے فراست ، آن جوان بخت در حضر نیز اور امعدوم انگاشتہ درین یکسال کہ او نوکراست و مبلغہا دروجہ مواجب از سرکار نامدار یافتہ اصلاالتفاتے بخواندن ترکی نداشتند وجہ بجہت عالی از تعین معلمان کسب کمالات ایشان است والا این ہمہ ممنونیتِ آن مردم چرابا لیستے کشید؟ ہر گاہ آن وال گہر قدر این عواطف ندافتہ و فرصت رامنتنم نداشتہ در تحصیل امورے کہ سببِ آراستگی و کمالِ نفس انسانیت وابنائے سلاطین راپیرایہ خوشتر ازان نیست رغبت نہ

Marfat.com
Marfat.com

نمایند ، مارا چه زیان ، الحال که به جوش آمده اندونیك
را از بدمی شناسند ، درآنچه بهبود ایشان باشد خود
کوتاهی نخواهند نمود"۔

اورنگ زیب سلطان محمد کو فارسی تحریر وتقریر کی مہارت اور پاکیزگی کی بھی برابر ہدایت کرتا رہتا تھا اور اس لیے خاص خاص کتابوں خصوصاً اکبرنامہ کے مطالعہ کی تاکید کرتا تھا ۔ایک رقعہ میں ہے۔

"اگر در نوشتنِ احتیاط نرود و عبارت مطابق آداب و
قاعده نباشدجاے انفعال است دراوقاتِ فرصت بمطالعۂ
کتب نیز علی الخصوص اکبر نامه پرواخته از سشق
انشاء غافل نه گروند وبهمگی جهد مصرف ان سازند
که تقریر و تحریر پاکیزه و پسندیده شود ، تاسعانی الفاظ
و ربط مناسب آن بواقعی خاطر نشان نه گرود ، در گفتن
و نوشتن بکار نبرندوبرچه بگویند ونیویند باید که
فهمیده و سنجیده باشد"۔

چناں چہ سلطان محمد نے اکبرنامہ کا مطالعہ شروع کیا اور جب اورنگ زیب کو خط لکھا ، تو اکبرنامہ کے مصنف کی تقلید میں بسم اللہ کے بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" تحریر کیا۔اورنگ زیب کو یہ ناگوار ہوا،تو اس نے تنبیہ کی۔

"مقصود از خواندن اکبر نامۂ شیخ ابو الفضل تتبع
عبارتِ آن کتاب است نه اتباع مذهب مصنف که
ازروے بدعت اسلوب مسنون را تغیر داده "

سلطان محمد نے اکبرنامہ کی تقلید میں اپنے عریضہ کو "نشان والا" اور مہر کو "مہر خاص" لکھا تھا۔ اورنگ زیب نے اس پر بھی فہمایش کی کہ یہ الفاظ شاہی رقعہ اور مہر کے لیے خاص ہونے چاہیں۔ایک

Marfat.com
Marfat.com

بار سلطان محمد نے اورنگ زیب کو لاپروائی میں خراب کاغذ پر برے مسطر میں رقعہ لکھدیا، اورنگ زیب نے اس کو ڈانٹ کر لکھا۔

"ہرچہ بنو یسند دست نگاہ داشتہ بر کاغذے لائق می نوشتہ باشند بے پروائی حسنِ خط رابرہم نزنند"۔[1]

مگر افسوس ہے کہ اورنگ زیب کی یہ ساری تربیت رائگان گئی اور سلطان محمد عنفوان شباب ہی میں دنیا سے چل بسا۔

اکبر وکام بخش:

شاہزادہ اکبر ملکہ دلرس بانو کے بطن سے تھا ۔۱۶۸۰ء میں راجپوتوں کے خلاف جنگ میں مشغول تھا کہ ان کے ورغلانے پر باپ سے منحرف ہوکر باغی ہوگیا اور جب اس کی بغاوت ناکام رہی، تو وہ ہندوستان سے بھاگ کر ایران چلا گیا اور وہاں ۴۸ ءجلوس عالمگیری میں فوت ہوا۔ عالمگیر اس کی دو باتوں کا مداح تھا، ایک یہ کہ اس نے نماز باجماعت کبھی قضا نہیں کی، دوسرے مذہب کا اتنا دل دادہ تھا کہ مذہبی جوش میں مخالفین ملت سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوا ۔[2]

کام بخش اودے پوری کے بطن سے تھا۔ عالمگیر کے ۲۰ ویں سال جلوس میں حفظ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی۔ عالمگیر نے اس خوشی میں اس کو خلعت دو اسپ با ساز طلاء و سر پیچ مرصع و مالائے مروارید و سپر با گل مرصع و ترکش با کمان عطا کئے[3]، مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ تحصیلِ علوم میں اپنے تمام بھائیوں پر سبقت لے گیا تھا، اُس کو ترکی زبان میں خاص مہارت حاصل تھی اور مختلف اقسام کے خطوط کی کتابت میں استاذ زمانہ تھا۔[4]

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کی تاریخ جنگ و جدل اور انتشار و اختلال کی ایک داستان ہے۔ مورخین ان خون آشام واقعات کو قلم بند کرنے میں ایسے محو ہوگئے ہیں کہ ان کی ساری توجہ بادشاہ وقت اور امراء کی سیاست اور ریشہ دوانیوں میں الجھ کر رہ گئی ہے اس لیے

---

[1] رقعاتِ عالمگیر ص ۲۷۸ [2] مآثر عالمگیری دارالترجمہ عثمانیہ ص ۳۹۳

[3] ایضاً ص ۱۰۸ [4] ایضاً ص ۳۹۴

Marfat.com
Marfat.com

شاہزادوں کے علمی حالات پر تاریکی کے پردے پڑ گئے ہیں، حالانکہ اورنگ زیب کے پوتے شہزادہ عظیم الشان کے بارے میں عام طور سے مشہور ہے کہ جب اوس نے اشوک کے دارالسلطنت پاٹلی پتر اور شہر پٹنہ کو عظیم آباد کے نام سے مستقر حکومت بنایا، تو اس عہد میں عظیم آباد شاہجہاں آباد ہی کی طرح سیاسی اور علمی حیثیت سے نمایاں ہو گیا تھا، مگر اس زمانہ کی علمی مجلسوں کے غلغلے مستند متداول تاریخوں میں بلند نہیں ہوئے، اس لیے شہزادہ عظیم الشان کے علمی کارناموں پر اعتبار و وثوق کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔

آخری شاہان تیموریہ سے اکبری جاہ و جلال شاہجہانی سطوت و شہامت اور عالمگیری تدبر و ہوش مندی رخصت ہو چکی تھی، اسی کے ساتھ وہ اپنی زبان بھی کھو بیٹھے تھے۔ محمد شاہ کے زمانہ سے دربار میں عام چرچا اردو زبان ہی کا رہنے لگا اور زمانہ کے عام مذاق کے مطابق دربار کے شہزادے اسی زبان میں غزل گوئی کی مشق کرنے لگے، غزل گو شہزادوں کی تعداد بہت ہے، لیکن ہم مثال کے طور پر صرف دو چار ایسے شہزادوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن کی سخن گوئی علم نوازی کا حال بعض مستند تذکرہ نویسوں نے بھی لکھا ہے، لیکن ان شہزادوں کے علمی ذوق پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک ایسے باکمال شہزادہ کا ذکر ضروری ہے، جو اگرچہ تخت و تاج کے وارثوں میں تو نہ تھا، لیکن علمی حیثیت سے تیموری خاندان کا نہایت ممتاز شہزادہ تھا۔

مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی:

یہ مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی ہے۔ یہ شاہ عالم بادشاہ کا ہم جد اور اورنگ زیب عالمگیر کی پوتی نواب عفت آراء بیگم کا نواسہ تھا۔ ۱۱۷۲ھ میں قلعہ معلی دہلی میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، بادشاہ وقت اور شہزادے محض ایک غیر اسلامی حکومت کے وظیفہ خوار اور نظر بند تھے۔ اظفری بھی قلعہ معلی دہلی میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، مگر کچھ عرصہ کے بعد خفیہ طور سے وہاں سے فرار ہو گیا اور جے پور، جودھپور وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنو پہنچا، نواب آصف الدولہ نے اس کی بڑی پذیرائی کی، اظفری لکھنو میں سات سال تک رہا۔ وہاں سے مدراس پہونچا اور یہیں ۱۲۳۴ھ میں سپرد خاک ہوا۔

Marfat.com
Marfat.com

اظفری کو عربی فارسی اردو اور ترکی چاروں زبانوں میں مہارت تھی، آخر عمر میں مدراس پہنچ کر انگریزی بھی سیکھ لی تھی، مختلف علوم وفنون مثلاً طب، رمل، عروض، قافیہ اور خصوصاً فن شاعری میں دسترس رکھتا تھا۔ فارسی اردو اور ترکی میں صاحب دیوان بھی تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کا فارسی اور ترکی دیوان مفقود ہے، اس کا اردو دیوان مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہونے والا ہے، یہ سطور لکھتے وقت اس کی ایک تالیف ''واقعاتِ اظفری'' پیشِ نظر ہے، جس کا اردو ترجمہ مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے ۔اس کتاب میں اظفری نے اپنے سفر کے علاوہ قلعہ معلّٰی کے بہت سے حالات لکھے ہیں، اس لیے یہ کتاب تاریخی اور جغرافیائی حیثیت سے بھی اہم ہے، اس میں شاہ عالم کے زمانہ کے بہت سے ایسے حالات درج ہیں، جو عام سیاسی تاریخوں میں نہیں ملتے ۔نظر بند شہزادوں کے عادات واطوار، رسم ورواج، جادو منتر اور عملیات کے متعلق بھی بہت سے معلومات ہیں، پھر قلعہ سے فرار ہونے کے بعد اظفری نے جن جن مقامات کی سیر کی، وہاں کی عجیب چیزوں رسم و رواج اور معتقدات کا بھی ذکر کیا ہے۔ آخر میں اپنی مختلف تالیفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ''اپنے قیام لکھنؤ کے زمانہ میں میں نے کامل ایک سال کے اندر ایک ترکی چغتائی لغت کی کتاب تالیف کی، جس میں قدیم مؤلفین کے طرز کے خلاف تفصیل کے ساتھ بہت آسان طریقے پر نئے نئے فوائد لکھے ہیں۔
>
> ایک مہینہ میں نسخہ ''محبوب القلوب'' کا مقفیٰ نثر میں فارسی زبان میں ترجمہ اور کچھ اس پر اضافہ کیا ہے، اصل کتاب میر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائی کی تصنیف ترکی زبان میں ہے۔''

ایک ہفتہ میں ''نصاب ترکی'' صنعت مقلوبات میں مرتب کی، جس میں دوسو بیس شعر ہیں'' تین روز میں امیر خسرو کی ''خالق باری'' کے جواب میں اسی وزن پر ایک مختصر رسالہ ترکی اور ہندی زبان میں مرتب کیا، اس میں ساڑھے چھ سو شعر ہیں اور اس کا نام میں نے ''تنکری تاری'' رکھا ہے۔

حکیم حسین رضا خان کی استدعا پر جو ہماری سرکار کے ملازم ہیں۔ چند ہفتوں کے اندر بقراط کے ''رسالہ قبریہ'' کا فارسی میں ترجمہ کیا، پھر اسے نظم کا لباس پہنایا۔ یہ رسالہ عربی زبان میں

Marfat.com
Marfat.com

مریضوں کی ردی علامتوں کے بیان میں ہے۔

اس کے بعد ''نسخہ سانحات'' کی تالیف میں مشغول ہوا، جس میں میری اکثر نصیحتیں اور تنبیہیں مذکور ہیں۔ اب تک اس میں ایک سونو سانحے درج ہو چکے ہیں۔

جس وقت میں عظیم آباد پہونچا، تو راے ٹیکا رام کی خواہش پر سات دن کے اندر ایک اور کتاب ''نصاب ترکی چغتائی'' تصنیف کی، جس میں چار سو باون اشعار ہیں، راے ٹیکا رام ہمارا موروثی خانہ زاد ہماری سرکار کا بخشی..... ہے۔

جب میں مقصود آباد میں وارد ہوا تو..... مرزا جان تپش کی خواہش پر اپنے واقعات کی تالیف شروع کی (واقعات اظفری مراد ہے)

مرزا جہاندار شاہ:

شاہ عالم کے جن لڑکوں نے باپ سے شعر و شاعری کا ذوق ورثہ میں پایا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ، مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ، شاہ عالم نے مرزا جہاندار شاہ کو ولی عہد بنایا تھا مگر اس نے عالم شباب میں سفر آخرت کیا، واقعات اظفری، طبقاتِ الشعراء، مجموعہ نغز، مذکرۂ ہندی اور گلزار ابراہیم اور گلشن بے خار میں اس شاہزادہ کا ذکر شاعروں کی فہرست میں اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ واقعات اظفری سے مصنف کا بیان ہے کہ شاہزادہ جہاندار شاہ بہت بذلہ سنج، ظریف اور شوخ طبع تھا، اس نے اردو اشعار میں بڑی شوخی ہوتی تھی، وہ موسیقی سے بھی ذوق رکھتا تھا، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں جہاندار تخلص کرتا تھا۔

طبقات الشعراء مؤلفہ قدرت اللہ شوق سنبھلی میں ہے۔

"جوانی بود مجمع قابلیت و اہلیت ... جدت ذہن وجودت طبع و فہم رسا و فکر بجا داشت و اشعار

Marfat.com
Marfat.com

فارسی و ہندی ہر دور اموزون می ساخت"

قدرت اللہ قاسم نے اس کو "شیرین گفتار" لکھا ہے ۔گلزار ابراہیم کے مصنف نے اس کے جود وسخا کے بیان میں بڑی تر زبانی دکھائی ہے، یہ شاہزادہ ۱۱۹۸ھ میں دہلی سے لکھنو آیا اور یہاں آ کر اوس نے جو علمی بزم سجائی اس کا حال گلزار ابراہیم میں اس طرح ہے۔

''اس شاہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی، کہ مہینے میں دو مرتبہ بنا مشاعرے کی اپنے دولت خانہ میں ٹھہرائی تھی ۔شعرائے باوقار کو اپنے چوب دار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے، چناں چہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا تو اس ہیچمدان نے یہ عذر کہہ بھیجوایا کہ کمترین نے مشاعر کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بس کہ ان صحبتوں میں مناظرہ ہی کو یارانِ عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے ، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی میں حاضر ہوں اور اس تخم ناکشتنی بے مغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض میں بوؤں پزیرانہ ہوا اور پھر چوبدار آیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا حاضر ہونا مشاعرے میں نہایت ضرور ہے ، مناظرہ کا مطلق ہمارے یہاں نہیں دستور ہے غرض ایما سے نواب، آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا اور شرف سعادت ملامت کا حاصل کیا۔مکرر غزلیں اس دن از راہ تفضلات کے پڑھوائیں اور ہر شعر پر کیا کہوں کہ کیا کیا عنایتیں فرمائیں پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا اور سامعین کو مورد عنایت وامداد فرمایا'' ۔[1]

اس شہزادہ کا انتقال ۱۲۰۱ھ میں بمقام بنارس ہوا۔مختلف تذکروں میں اس کے اشعار منقول ہیں۔نمونہ کے طور پر ہم یہاں اس کے کچھ اشعار درج کرتے ہیں۔

---

[1] گلزار ابراہیم، انجمن ترقی اردو ص ۹۰، گلشن بے خار میں اس شہزادہ کے متعلق یہ الفاظ ہیں

" بفہم و فراست و عقل و کیاست ممتاز اقران و امثال خود بودہ "

Marfat.com
Marfat.com

واقعات اظفری:

تیری جب سے الفت کے پالے پڑے ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے
پھرے ڈھونڈتے پا برہنہ تجھے یہاں تک کہ پاؤں میں چھالے پڑے

فارسی کلام:

فتاد مشکل دیگرز عشق جان مرا کہ کس نمی شنود شرح داستان مرا
فزو دہ ایم غرورت زعرض بیتابی باین گناہ بر آرد کسے زبان مرا
دلم زسینہ بر آرید و پیش او ببرید زنام ما برسا نید این بیان مرا

طبقات الشعراء:

زلف آمیختہ جو یہ رخ پہ صنم رکھتے ہیں روز اور شب کو باغماز بہم رکھتے ہیں
میرا دل فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں منظور ہو جو گوشہ دستار کے لیے
جز جیب وآستین نہیں مونس جہاں میں کوئی دیکھا تو اپنے دیدۂ خونبار کے لیے
اس زلف عقدہ گیر کا یکتار رائے صنم بس تھے جہاں کے سبحہ و زنار کے لیے

گلزار ابراہیم

نہ پوچھو دہر میں کیا کر چلے ہم اسی ہی آرزو میں مر چلے ہم
رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں بسان شمع رو رو کر چلے ہم

تذکرہ ہندی:

کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی پر جفا جو یہ تری نت کی لڑائی نہ گئی
قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے وضع نالہ کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی
بیمار عشق اب تک جانبر بھی کوئی ہوا ہے تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے
پچتائے گا تو اک دن سنتا ہے اے جہاندار دیتا تو ہے دل اس کو لیکن برا کرے ہے
کون میکش اے جہاندار آج گزرا باغ میں ہاتھ میں ہر شاخ گل کی مے کا پیالہ دیکھنا

Marfat.com
Marfat.com

مرزا احسن بخت:

قدرت اللہ شوق سنبھلی نے اپنے تذکرہ طبقات الشعراء میں شہزادہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ازراہ قابلیتِ ذاتی برائے تفنن طبع گاہے متوجہ فن شعر می شود و بعد سال و ماہے غزل فارسی و ہندی بہم می رساند این چند ابیات آن احسن بخت کہ بزبانی بعضے مقربان و منصب دارانِ او بسمع رسیدہ تحریر می ۔آید، اگرچہ آنو مشق است فاتا ذہن صائب و فکر مناسب دارد۔"

اس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

فرقت میں اس کی یارب کھینچیں ہم آہ کب تک — آنکھیں تو تھک گئی ہیں دیکھیں گے راہ کب تک
یاد ہے گلغدار کی صورت — گل ہے نظروں میں خار کی صورت
کیا قیامت ہے اس کی نوکِ مژہ — خنجر آبدار کی صورت

مرزا سلیمان شکوہ:

مغلوں کے آخر زمانہ میں مرزا سلیمان شکوہ کا علمی حیثیت سے بہت نمایاں ہے، اس شہزادہ کے متعلق قدرت اللہ شوق کا بیان ہے۔

"مخزنِ قابلیت و علم و معدنِ انسانیت و حلم ..... از بسکہ جودت طبع وجدت ذہن بسیار دارد، ازراہِ قابلیت ذاتی گاہے متوجہ فنِ شعر می شود و غزل فارسی و ہندوی بہم می رساند و اکثر در خدمت او مشاعرہ شعرا می شود"۔

گلشن بے خار میں ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

"مرزا سلیمان شکوہ ..... مدتے جلوہ فرمائے لکھنو بودہ ، اکثر شعرائے آنجا از خوان نعمتش بہرہ ور و کامیاب بودند، چند سال است کہ دہلی دارو شدہ بود ، الحال تربیت شعرائے مستقر الخلافۃ اکبر آباد است"

(ص ۱۴۶، مطبع دہلی اردو اخبار پریس)

سلیمان شکوہ نے دہلی چھوڑنے کے بعد لکھنو میں جو علمی مجلس آراستہ کی تھی۔ آزاد نے اوس کی تصویر اس طرح دکھائی ہے۔

"مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم کے بیٹے تھے..... شاعر بھی تھے، چناں چہ عام اہلِ دہلی کے علاوہ شعراء کا مجمع دونوں وقت ان کے ہاں رہتا تھا۔ سودا، میر ضاحک، میر سوز، وغیرہ کا ورق زمانہ الٹ چکا تھا، مصحفی وغیرہ شاعروں اور شعر فنون کے جلسے رہتے تھے جو محفل ایسے گلشن فصاحت کے گلدستوں سے سجائی جائے وہاں کی رنگینیاں کیا کچھ ہوں گی جی چاہتا تھا کہ ان کی باتوں سے گلزار کھلا دوں مگر اکثر پھول ایسے فحش کانٹوں میں الجھے ہوئے ہیں کہ کاغذ کے پرزے ہوتے جاتے ہیں، اس لیے صفحہ پر پھیلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، پہلے مرزا سلیمان شکوہ مصحفی سے اصلاح لیا کرتے تھے، جب سید انشاء پہونچے، تو مصحفی کا مصحف طاق پر رکھا گیا، بزرگوں سے سنا اور طرز کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہزدہ موصوف کے سر دیوان کی غزل اور اکثر غزلیں بھی سید ممدوح کی اصلاح کی ہوئی یا کہی ہوئی ہیں"۔

فحش کانٹوں سے مراد شاید سلیمان شکوہ کے دربار کے اہلِ علم اور شعرا کے حسد اور رشک و رقابت ہو، مولوی عبدالحق صاحب (انجمن ترقی اردو) تذکرۂ ہندی مؤلفہ غلام ہمدانی مصحفی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

"دلی کے شاہزادے، شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ اس زمانہ میں

Marfat.com
Marfat.com

لکھنو میں تھے، صاحب عالم نے لکھنو کی سرزمین پر چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی اور سارا ٹھاٹ وہی قائم کر رکھا تھا، دلی سے جو جاتا پہلے ان کی سرکار میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈتا، شعر وسخن سے ذوق رکھتے تھے اور شعراء اور اہل کمال کے قدر دان تھے، انشاء جرات، سوز، مصحفی، وغیرہ انہی کے دربار میں ملازم تھے یا انعام واکرام سے سرفراز ہوتے تھے، بارہ سو سات آٹھ ہجری میں مصحفی بھی میر انشاء اللہ کی وساطت سے اس دربار میں داخل ہوئے، ہمارے درباروں میں حسد ورشک، رقابت وغمازی اور ساز وباز کی گرم بازاری ہمیشہ رہی ہے ..... انشاء، جرات اور مصحفی خواجہ تاش اور ہم پیشہ تھے، اول اول شاعرانہ چشمک رہی، بعد میں بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ وجدل اور فحش اور پھکڑ تک پہنچ گئی، ..... غرض ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، جس کے مزے صاحب عالم ..... بھی لینے لگے اور شہر والوں کو ایک دل لگی ہاتھ آ گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ انشاء اپنی طراری، تیزی اور رسوخ سے بازی لے گئے اور مصحفی کو خفت نصیب ہوئی، صاحب عالم کی نظریں ان کی طرف سے پھر گئیں''۔

طبقات الشعراء میں مرزا سلیمان کے اشعار کے جو نمونے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

کس سے سلیمان پوچھے اس کے مکان کا پتا — واقف حال کب کوئی اس کی ہے بود وباش سے

وفور اشک سے کیونکہ ہو اپنی چشم تر خالی — جو دریا جوش سے بہتا ہے سو ہوتا ہے کم خالی

بھر آتا ہے دل جب دیکھتے ہیں شکل سائل کی — نہیں ہوتا ہے ظرف ہمت اہل کرم خالی

تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیمان — تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا

گلشن بے خزان میں ہے۔

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا — کہ شور نالہ ہر ایک خانہ زنجیر سے اٹھا

Marfat.com
Marfat.com

گالیاں سیکڑوں ہر بات میں اب دینے لگے دیکھو جھڑتے ہیں کیا مونہہ سے میرے یار کے پھول

مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ:

یہ بھی شاہ عالم کا لڑکا تھا، شاعری میں قمر تخلص رکھتا تھا، قدرت اللہ شوق سنبھلی کا بیان ہے۔

"جوانے بود وجیہ مجمع قابلیت و نیز عالی حوصلہ و خوش سلیقہ قدر و دان انسان کامل بسیار قابل و خوش تلاش و خوش فکر بودہ، فاما اجلش مہلت ندادہ"

واقعات اظفری میں ہے۔

"ہر علم وفن خاص کر خوشنویسی اور آداب وتمکنت میں سارے تیموری خاندان میں منتخب تھے، آہ کہ پچیس سال کی عمر میں بعارضہ سرسام دنیا سے چل بسے"۔ (ص ۱۹۴)

اس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

نہ ہوتا آفتاب عشق کا جلوہ اگر پیدا تو کب ہوتا شب تاریک سے نور نظر پیدا

جلامت استخوان میری تجھے اے عشق کہتا ہوں ہوا ہے اس نیستان بیچ دل سا شیر نر پیدا

قمر اس بت نے جب سے صندلی پوشاک پہنی ہے ہوا ہے ایک عالم کو تب ہی سے درد سر پیدا

کوئی پلے پر نہ آیا مجرموں کے غیر صبر مفت میزان ستم میں ہم گئے قاتل کو تل

اے قمر دلگیر مت ہو کھول دیں گے آن میں حضرت مشکل کشا عقدے تری مشکل کے کل

بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں قلعہ معلیٰ شعر و شاعری کا ایک گہوارہ تھا، جیسا کہ "آخری شاہان تیموریہ کے علمی ذوق" کے سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے، قلعہ معلیٰ کے شہزادوں میں شاید ہی کوئی

Marfat.com
Marfat.com

ایسا شہزادہ ہوگا، جس کو شعروشاعری سے لگاؤ نہ رہا ہو اور وہ مشاعروں میں حصہ نہ لیتا رہا ہو لیکن اس کی تفصیلات طویل بھی ہیں اور اردو کی بعض مطبوعہ کتابوں میں ان کے جستہ جستہ حالات ملتے ہیں، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

تصحیح گذشتہ مہینہ کے معارف میں داراشکوہ کے علمی ذوق کے مضمون میں دو مقام پر تسامح ہوگیا ہے، سفینۃ الاولیاء کے ذکر میں یہ سطر حتی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس کا حوالہ جا بجا دیا ہے،" سہواً ضبط تحریر میں آ گئی ہے، ناظرین براہ کرم اس کو قلمزد کر دیں، دانش کی جو غزل نقل کی گئی ہے، اس کا پہلا مصرع اس طرح ہونا چاہیے۔

موسے آن شد کہ ابر تر چمن پر د ر شود

اکتوبر تا دسمبر ۱۹۴۱ء

Marfat.com
Marfat.com

تیموری شہزادیوں کا علمی ذوق

ہندوستان کے شاہانِ تیموری کی علم دوستی اور حسنِ مذاق کا یہ نمایاں ثبوت ہے کہ جہاں انھوں نے حکومت کا نظم ونسق سنبھالنے اور ملک داری کے لیے اپنے شہزادوں کو اعلیٰ تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا۔ وہاں انھوں نے شہزادیوں کو بھی اس سے محروم نہ رکھا اور نہ صرف ان کے درباروں میں علم وفن کی مجلسیں قائم تھیں، بلکہ ان کے خلوت کدوں میں بھی علم وادب کی بزم آراستہ تھی۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فتوحات کی معرکہ آرائیوں اور جنگِ جانشینی کی خون آشامیوں کے باوجود تیموریوں نے جلوت اور خلوت دونوں کو علم وہنر کی شمع سے منور رکھا، چناں چہ علمی حیثیت سے تیموری شاہزادوں کے ساتھ ایسی تیموری شاہزادیاں بھی ملتی ہیں، جن کی ذات پر اربابِ علم وفضل کو بجا طور پر ناز ہوسکتا ہے۔

گلبدن بیگم:

تیموری شاہزادیوں کی علمی بزم میں سب سے پہلے گلبدن بیگم پر نظر پڑتی ہے، جو بابر کی بیٹی تھی۔ بابر کے لڑکوں میں ہمایوں کامران، ہندال اور عسکری نے میراث میں علم، ادب اور شعر وشاعری کا ذوق پایا۔ اسی دودمانِ فضل وکمال کے گہوارہ میں گلبدن بیگم نے بھی پرورش پائی اور اپنی اعلیٰ تعلیم وتربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابل قدر انشاء پرداز اور شاعرہ ہوئی۔ فارسی زبان میں اس کی مستقل تصنیف ہمایوں نامہ ہے، جو اپنے طرز انشاء کے لیے ایک بے مثل کتاب اور بابر وہمایوں کے عہد کے تمدنی، معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لیے ایک قیمتی ماخذ ہے۔

یہ کتاب دراصل اکبر کے حکم سے اکبر نامہ کی ترتیب وتدوین کے وقت بابر اور ہمایوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے لکھی گئی تھی، لیکن اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر ایک اہم تالیف ہوگئی۔ یہ کتاب عرصہ تک پردۂ گمنامی میں پڑی تھی، لیکن انگلستان کی ایک علم دوست خاتون

Marfat.com
Marfat.com

نے اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے اور اس کو بڑی محنت و کاوش سے اڈٹ کر کے ۱۹۰۲ء میں لندن سے شائع کیا۔ اس کے دیباچہ میں خاتون مذکور نے گلبدن بیگم کی مفصل سوانح عمری لکھی اور کتاب میں بیگمات کے جتنے نام آئے ہیں۔ ان سب کے بھی حالات قلم بند کئے۔ اس کے علاوہ جا بجا جو ترکی الفاظ استعمال کئے گئے ہے۔ ان کی تحقیق کی اور پھر فارسی متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی منسلک کیا۔ اس کتاب کی اشاعت پر مولانا شبلی مرحوم کو بڑی خوشی ہوئی تھی اور اس پر الندوہ جلد ۵ نمبر ۳ میں ایک مفصل ریویو لکھا تھا، جس سے بہتر ریویو آج بھی کوئی اہل قلم نہیں لکھ سکتا ہے۔ مولنا مرحوم نے اس کتاب کی جو خصوصیات اور خوبیاں بتائی ہیں۔ ہم اس مضمون میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تا کہ ایک عدیم المثال ادیب اور مؤرخ کی تحریر کی روشنی میں اس کتاب کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس کتاب کی انشاء پردازی کے متعلق مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

''فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعاتِ عالمگیری ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خان ان پر نثار کردی جائیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ کی عام بول چال، طرزِ ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے''۔

عبادت کی سادگی اور طرزِ ادا کے بے ساختہ پن کی مثالیں بکثرت ہیں، ہم طوالت کے خیال سے ان کو یہاں پر نقل نہیں کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نے نمونے کے طور پر چند اقتباسات پیش کئے ہیں، جو مقالات شبلی جلد چہارم میں پڑھے جاسکتے ہیں، البتہ مولنا مرحوم نے جو روزمرہ کے محاورے کتاب سے چن کر جمع کئے ہیں۔ ان میں سے بعض ملاحظہ ہوں:

پاے می داد (ہار جاتا تھا) طرفگیہا می کرد (شوخیاں کرتا تھا) بیائید تا یکدیگرم را دریابیم

Marfat.com
Marfat.com

(آؤ گلے لگیں) خفتن شد (سونے کا وقت آیا) سر حضرت شوم (آپ پر قربان ہوں) روستای گری (کنوار پن) وغیرہ وغیرہ۔ مولنا شبلی کا بیان ہے کہ اس قسم کی روزمرہ کی زبان اس عہد کی تصنیفات میں بہت کم ملے گی۔

مولنا شبلی رقم طراز ہیں کہ تاریخی حیثیت سے اس کتاب کی قابلِ قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس عہد کے تمدن، شایستگی، معاشرت اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو روشن کر کے دکھایا گیا ہے مثلاً وہ کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے، تو اس کی ہو بہو تصویر کھینچ دیتی ہے، عورتوں کے متعلق وہ بہت سی نئی معلومات فراہم کرتی ہے مثلاً عورتیں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنونِ سپہ گری سے بھی خوب واقف ہوتی تھیں، سفر اور سیر و شکار میں عموماً گھوڑے پر سوار ہوتی تھیں، بعض اوقات وہ مردانہ لباس بھی پہنتی تھیں۔ مہر انگیز بیگم (یعنی مظفر حسین مرزا ہمیگرہ کی بیٹی) کے بارہ میں لکھتی ہے کہ وہ مرادنہ لباس میں ملبوس رہتی تھی اور مختلف ہنر مثلاً زگیر تراشی، چوگان بازی، تیر اندازی اور ساز بجانے میں ماہر تھی۔ ہمایوں جب ایران گیا، تو اس کی ایک بہن ہمیشہ ایک گھوڑے پر سوار اس کے عقب میں چلتی تھی، خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے، تو عورتیں خود بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں، لیکن یہ احتیاط رہتی تھی کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہ ہو، عورتوں کا نہایت احترام کیا جاتا تھا۔ بابر کی بیوی ماہم بیگم کابل سے ہندوستان آئی، تو بابر دو کوس تک پیدل استقبال کو گیا، ملکی معاملات میں عورتوں سے بھی مشورے لیے جاتے تھے اور ہر قسم کے امور میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ۔ مولانا شبلی مرحوم نے اس کتاب کی ایک اور تاریخی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ گلبدن بیگم تاریخی واقعات لکھنے میں اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہیئے، وہ خوب جانتی ہے کہ کون سا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے اور اس لیے اس کے اسباب و علل سے کہاں تک بحث کرنی چاہیئے۔

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) اور مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دارالمصنفین) میں گلبدن بیگم کا نام بھی شعراء کی فہرست میں درج ہے، لیکن دونوں تذکروں میں اس کا صرف مندرجہ ذیل ایک شعر منقول ہے۔ مسز بیورج نے اسی شعر کو ہمایوں نامہ کے دیباچہ میں یہ

Marfat.com
Marfat.com

مہدی شیرازی کے تذکرۃ الخواتین سے نقل کیا ہے۔

ہر پریرے کہ اوبا عاشقِ خود یارنیست
تو یقین میدان کہ ہیچ ازعمر برخور دارنیست

گل رخ بیگم:

بابر کی ایک دوسری لڑکی گل رخ بیگم صالحہ سلطان بیگم کے بطن سے تھی۔ وہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتی تھی اور اشعار موزوں کرتی تھی۔ صبح گلشن مؤلفہ نواب علی حسن خان مرحوم نے اس کی شاعری کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"بہ گلرخی و شگفتہ رویی و سلیقہ شاعری سرآمد زمرۂ نسوان غنچۂ دہانش بہ نسیم اشعار لطیف می شگفت"۔

ریاض الشعراء، مخزن الغرائب اور صبحِ گلشن میں اس کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

ہیچگہ آن سروِ گل رخسار بے اغیار نیست
راست بودہ است آنکہ در عالم گلِ بے خار نیست

سلیمہ سلطان بیگم:

یہ بابر کی نواسی اور گل رخ بیگم کی بیٹی تھی، پہلے خانخانان بیرم خان سے بیاہی گئی۔ اوس کے انتقال کے بعد اکبر کے حبالۂ عقد میں آئی۔ سیاسی واقعات میں اس کا نام نمایاں اس وقت ہوا، جب شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ سلیمہ سلطانہ ہی کی مساعیِ جمیلہ سے اکبر اور سلیم میں مصالحت ہوئی، اس سلسلہ میں اکبر نامہ، منتخب التواریخ اور لب التواریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔ جہانگیر اس کی علمی قابلیت کا معترف ہے، اس کے انتقال پر تزک جہانگیری (ص ۱۱۴ نولکشور پریس) میں لکھتا ہے:

Marfat.com
Marfat.com

"بہ جمیع صفاتِ حسنہ آراستگی داشتند، در زنان
این مقدار ہنر و قابلیت کم جمع می شود"۔

اس کو شعر و شاعری سے بھی زیادہ مناسبت تھی۔ آئین اکبری (بلاخ من ص ۳۰۹) اور مآثر الامراء (جلد اول ص ۳۷۶) میں ہے کہ اس کا تخلص مخفی تھا، لیکن مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس کا تخلص مخلص تھا، تذکروں میں صرف اس کا حسبِ ذیل ایک شعر نقل کیا گیا ہے۔

کاکلت رامن زمستی رشتۂ جان گفتہ ام
مست بودم زین سبب حرفِ پریشان گفتہ ام

مخزن الغرائب (ورق ۲۶۰) میں فیضی کے مرثیہ پر حسب ذیل رباعی درج ہے، جو ایک خاتون کاملہ بیگم کے ذکر میں نقل کی گئی ہے۔ کاملہ بیگم کے حال میں کسی قسم کا کوئی تعارف نہیں، مگر تذکرہ نگار نے رباعی سے پہلے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بعض نسخوں میں رباعی سلیمہ بیگم کی طرف بھی منسوب ہے۔

فیضی مخور این غم کہ دلت تنگی کرد — باپائے امید عمر لنگی کرد
میخواست کہ مرغِ روح بنید رُخِ دوست — زین واسطہ از قفس شب آہنگی کرد

مورخین سلیمہ بی بی کی کتب بینی کے شوق کے بھی معترف ہیں۔ اسی شوق کی تکمیل کے لیے اس کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔

ماہم بیگم:

یہ بیگم دومان تیموری کی چشم و چراغ تو نہ تھی، لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے تیموری بادشاہ یعنی اکبر بادشاہ کی مرضعہ تھی، اس لیے اس کا ذکر اس سلسلہ میں بے جا نہ ہوگا۔ ماہم بیگ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھی، اسی لیے علم و فضل کی ترویج کی خاطر اس نے دہلی میں ایک اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ خیر المنازل کے نام سے قائم کیا۔ سرسید احمد خان نے آثار الصنادید میں اس مدرسہ کا ذکر کیا ہے، یہ مدرسہ پرانے قلعہ کے پاس واقع تھا، اس کی عمارت اب منہدم ہوگئی ہے، اس پر جو لتبہ منقوش

Marfat.com
Marfat.com

تھا۔اس کو سر سید احمد خان نے اپنی کتاب (باب اول ص ۴۷) میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے۔

بدوران جلال الدین محمد — کہ باشد اکبرِ شاہانِ عادل
چوماہم بیگمِ عصمت پناہی — بنا کرد این بنا بہرافاضل
ولے شد ساعی این بقعۂ خیر — شہاب الدین احمد خانِ باذل
زہے خیریت این خیرِ منازل — کہ شد تاریخ او " خیر المنازل "

اس مدرسہ کے ساتھ طلبہ کے لیے ایک بہت ہی حسین مسجد بھی تھی۔ایک انگریز ماہرِ آثار قدیمہ نے اس مسجد کو دیکھ کر اس کا تحسین آمیز نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"مسجد پانی سے گھسے ہوئے نوک دار پتھروں کی بنی ہوئی ہے، جہاں نقش ونگار ہیں، وہاں سرخ پتھر اور گرانیٹ لگائے گئے ہیں، پھاٹک گو اب مسمار ہو چکا ہے، لیکن بہت ہی خوبصورت ہے، مسجد کا اندرونی حصہ رنگین پلاسٹر اور چمک دار اینٹوں سے مزین ہے، عمارت کا رخ اور پھاٹک رنگین تمغوں اور ترشے ہوئے پتھر کے پھولوں سے منقش ہیں، ان میں رنگ نیلے، زرد، سرخ، ارغوانی، سپید، سبز اور سیاہ استعمال کیے گئے ہیں، اس مسجد میں صرف ایک گنبد ہے، جس کی گردن نیچی ہے، اس کا کنگرہ بہت ہی عجیب وغریب ہے جو مسجد قلعۂ کونہ کے کنگرے سے مشابہ ہے، مسجد کی دیواریں عمودی ہیں لیکن مینارے ڈھلواں ہیں، موتی مسجد کی طرف چھجے سامنے نکلے ہوئے ہیں، اس مسجد میں حجرے ہیں، جو اور مسجد میں نہیں دیکھے گئے (ارکیالوجی آف دلی، مولفہ سی اسٹیفن بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ مرتبہ ان، ان لا، ص ۱۶۶)"۔

یہ مسجد جس فیاضی اور فراخ دلی سے طلبہ کے لیے بنائی گئی تھی، وہ ماہم بیگم کی تعلیمی دل چسپی کی بڑی دلیل ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

نور جہاں بیگم:

نور جہاں بیگم بھی نسلاً تیموری نہ تھی، لیکن ایک تیموری حکم ران کی بیوی بن کر شاہی حرم اور حکومت کے لیے باعثِ رونق وزینت بنی، اس لیے یہ مضمون تشنہ رہے گا، اگر اس کا ذکر ان صفحوں پر نہ کیا جائے گا۔

نور جہاں نے شاہی محل میں داخل ہوتے ہی اپنے جمالیاتی ذوق سے حرم کی عورتوں کا سارا مذاق ہی بدل دیا، پہننے اوڑھنے، بناؤ سنگھار، فرش فروش اور زیور و آرائش کی چیزوں میں اتنی جدتیں پیدا کیں کہ سارے ملک میں یہی رنگ غالب آ گیا، اس حسنِ مذاق کے ساتھ قدرت نے نور جہاں کو علم و ادب کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا، ایک علم پرور باپ کی بیٹی اور ایک اعلیٰ ادیب و انشاء پرداز اور شاعر کی بیوی تھی، اس لیے باپ کی وراثت اور شوہر کی رفاقت سے اس کی علمی صلاحیت اور لیاقت کو اتنی جلا ہوئی کہ اب تک اس کی استعدادِ علمی اور سخن سنجی کی داد دی جاتی ہے۔

مرأۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے:

"دربذلہ سنجی و سخن گوئی و شعر فہمی و حاضر جوابی از نسائے زمان ممتاز بود" (ص ۱۲۸)۔

ید بیضا مؤلفہ آزاد بلگرامی (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے:

"در وادی شعر بسیار خوش سلیقہ است"

اس کی تصدیق منتخب اللباب اور ماثر الامرا سے بھی ہوتی ہے۔ نور جہاں کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے لطیفے آج کل کی علمی مجلسوں میں مشہور ہیں، مگر پھر بھی اس مضمون میں ان کا اعادہ شاید دل چسپی اور تفریح سے خالی نہ ہوگا۔

ایک روز جہانگیر نے لباس تبدیل کیا، جس کا تکمہ "لعل بے بہا" کا تھا۔ نور جہاں نے اس کو دیکھتے ہی فوراً یہ شعر پڑھا:

ترا نہ تکمہ لعل است برقبائے حریر شدہ است قطرۂ خون منت گریباں گیر

ایک موقع پر جہانگیر نے عید کا چاند دیکھ کر یہ مصرع موزوں کیا۔

ہلالِ عید براوج فلک ہویدا شد

نور جہاں نے فی البدیہہ دوسرا مصرع پڑھا۔

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا[1] شد

مفتاح التواریخ (مؤلفہ سر طامس ولیم بیل) میں نور جہاں کی بدیہہ گوئی کی کچھ اور مثالیں منقول ہیں۔ ایک مرتبہ جہانگیر نور جہاں سے کئی روز کے بعد ملا، ملنے کی خوشی میں نور جہاں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا۔

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نور جہاں نے فوراً دوسرا مصرع فی البدیہہ کہا:

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

ماہ محرم ۱۰۲۸ء میں ایک دم دار ستارہ نظر آیا۔ نور جہاں نے اوس کو دیکھ کر یہ شعر موزوں کیا:

ستارہ نیست بدین طول سربرآوردہ فلک بشاطری شہ کمر برآوردہ

ملک الشعراء طالب آملی ایک بار شاہی عتاب میں پڑ کر محبوس ہو گیا۔ حالتِ حبس میں نور جہاں کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

زشرم آب شدم آب را شکستے نیست بحیرتم کہ مرا آبروے از چہ شکست

نور جہاں نے فوراً یہ لکھ کر جواب دیا ''بیخ بست و بشکست''[2]

مآثر الامراء کے مؤلف کا بیان ہے کہ نور جہاں کا تخلص مخفی تھا[3] مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ تیموری شہزادیوں میں جس کسی نے شعر و شاعری میں طبع آزمائی کی، اس کی طرف یہی تخلص

---

[1] تذکرۂ سرخوش، قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال و خافی خان جلد اول ص ۲۷۰ و مراۃ الخیال ص ۱۲۹۔

[2] یہ تمام روایتیں میری نظر سے مفتاح التواریخ (ص ۳۱۴) کے علاوہ کسی اور تاریخ اور تذکرے میں نہیں گذریں۔

[3] مآثر الامزاء جلد اول ص ۱۳۴

Marfat.com
Marfat.com

منسوب کیا گیا۔ مراۃ الخیال[1]، منتخب اللباب[2] اور مآثر الامرا[3] کے مؤلفین نے نور جہاں کے یہ اشعار اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔

دل بصورت ندہم ناشدہ سیرت معلوم　　بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم
زاہدا ہولِ قیامت مفگن دردلِ ما　　ہولِ ہجران گذراندیم قیامت معلوم

مفتاح التواریخ میں یہ دو رباعیاں بھی نور جہاں کی طرف منسوب ہیں:

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار ہست　　کلید قفلِ دلِ ما تبسمِ یار ہست
نہ گل شناسد و نہ رنگ و بو نہ عارض و زلف　　دل کسے کہ بہ حسنِ دادہ گرفتار ہست

دیگر

چو بردارم زرخ برقعہ زگل فریاد برخیزد
زنم برزلف اگر شانہ ز سنبل داد برخیزد
باین حسن و کمالا تے چو در گلشن گذر سازم
زجانِ بلبلان شور مبارکباد برخیزد[4]

نور جہاں شعرا کی بھی سرپرست تھی۔ مراۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے کہ ''دانش

---

[1] مراۃ الخیال ص ۵۳۲　[2] منتخب اللباب از خافی خان جلد اول ص ۲۷۰

[3] مآثر الامراء جلد اول، ص ۱۳۴

[4] یہ رباعیاں کسی اور تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گذریں تعجب ہے کہ مفتاح التواریخ میں مندرجہ ذیل شعر نور جہاں کا بتایا گیا ہے۔

نور جہان گرچہ بصورت زن است　　در صفِ مردان زن شیر افگن است

ید بیضا (قلمی نسخہ دارالمصنفین) میں مولنا غلام علی آزاد بلگرامی نے نور جہاں کی بدیہہ گوئی کی ایک مثال میں یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

بقتلِ من اگر شاہا دلت خوشنودی گردد
بجان منت و بے تیغ تو خون آلودی گردد

اسی کے ساتھ ایک غیر سنجیدہ روایت بھی منقول ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

آموزسخن دان نواب قاسم خان'' شاعر کی حیثیت سے نور جہاں ہی کی سرپرستی اور قدر دانی سے ممتاز ہوا۔ نواب قاسم خان نور جہاں کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کا شوہر تھا۔ نور جہاں کی وساطت سے جس طرح قاسم خان کو شعر و شاعری میں فروغ حاصل ہوا، اس کا حال مؤلف تذکرۂ مرأۃ الخیال میں اس طرح لکھتا ہے۔ (ص ۱۲۹)

'' نور جہان بیگم را قاسم خان مناظرہ و مشاعرہ بسیار دست می داد، اودر فن شعر مسلم نمی داشت تا آنکہ طرح غزلے تازہ درمیان آمد و شعرائے پائے تخت ازان درماندند و قاسم خان این سہ بیت نوشتہ نزد بیگم فرستاد وازان ہنگام زور طبعش در سخنوری قبول نمود، ابیات این است:

گر شوی سایہ نشیں روے ز بخت باغبان
سایہ برخورشید انداز د درخت باغبان
فاختہ چون دید بے گل باغ رانالید و گفت
از چہ روباگل نرفت این جانِ سختِ باغبان
جشن نور و زاست و فراش بہار از فیض طبع
طرح کرد از سبزہ و گل تاج و تختِ باغبان۔

نور جہاں نے مے کلال کو جس طریقہ سے شاہی دربار میں روشناس کرایا۔ اس کا ذکر'' جہانگیر کے علمی ذوق'' میں کیا جا چکا ہے۔ نور جہاں کی مصاحبت میں بعض ایسی عورتیں بھی تھیں، جو شاعری میں کافی دسترس رکھتی تھیں، ان ہی میں ایک مہری ہروی تھی، جس کے بارے میں مرأۃ الخیال کا مؤلف لکھتا ہے:

'' مسماۃ مہری ہروی خورشید طلعتی بود کہ کرشمۂ جمالش عروسان بہشت راجلوہ گری

Marfat.com
Marfat.com

آموختے و از تاب عذارش آفتاب عالمتاب در آتشِ غیرت سوختے ، با این ہمہ حسن و رعنائی بالماس فکر بکردُرہائے مضامین آبدار سفتے و سخن رابسیار نازک گفتے "۔

مرأۃ الخیال میں مہری ہروی کا ایک دل چسپ لطیفہ درج ہے۔ نور جہاں مہری ہروی کے ساتھ محل کے بالانشین پر بیٹھی تھی کہ مہری ہروی کا شوہر خواجہ حکیم نیچے نظر آیا، نور جہاں نے ہروی کو اس کے شوہر کو اوپر بلا لینے کا حکم دیا، حکم پا کر خواجہ حکیم نے اضطراب اور عجلت میں حاضر ہونے کی کوشش کی ،مگر گھبراہٹ میں اس کے پاؤں لڑکھڑائے ، اس اضطراب ، عجلت اور گھبراہٹ کی حرکتوں کو دیکھ کر نور جہاں نے مہری ہروی کو ان کیفیات پر اشعار موزوں کرنے کی فرمائش کی۔ مہری ہروی نے خواجہ حکیم کو مخاطب کر کے کہا:

سراپا تو سرِیاری نمانده　　سر مہرو و فاداری نمانده
ترا از ضعف و پیری قوت و زور　　چنانکہ پای برداری نمانده

نور جہاں ہنس پڑی اور مہری کو اس صلہ میں نقد وجنس کی صورت میں انعام دیا۔[1]

ممتاز محل:

شاہجہاں کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل بھی زیورِ علم وفضل سے آراستہ تھی اور وہ نہ صرف سخن فہم بلکہ سخن سنج بھی تھی ، اس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار

---

[1] مرأۃ الخیال ص ۵۳۲ مہری کی ایک غزل ملاحظہ ہو۔

حلِ ہر نکتہ کہ بر پیرِ خرد مشکل بود　　آز مودیم بیک قطرۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت می　　در ہر کس کہ زدم بو حود ولا عقل بود
خواستم سوز دل خویش بگویم بلشمع　　دانست او خسود بزبان آنچہ مرادر دل بود
در چمن صبح دم از گریہ و زاری من　　نالۂ سوختہ خون و در دل و پادر گل بود
آنچہ زبابل و ہاروت روایت کردند　　سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود
دولتے بود تماشای رخت مہری را　　حیف و صد حیف کہ این دولت مستعجل بود

Marfat.com
Marfat.com

شاہجہاں جمنا کے کنارے بیٹھ کر دریا کے مناظر دیکھ رہا تھا کہ اس کی موجوں کی طرف اشارہ کر کے ممتاز محل سے کہا:

آب از بر اے دیدنت می آیداز فرسنگہا

ممتاز محل نے اوس کا دوسرا مصرع فوراً موزوں کیا۔

از ہیبتِ شاہجہان سرمی زند برسنگہا!

جہاں آرا بیگم:

شاہجہاں اور ممتاز محل کی بیٹی تھی، جو سیاسی واقعات کے لیے بھی اپنے عہد میں بہت نمایاں رہی۔ ممتاز محل کی گود اور نور جہاں کی صحبت اور شاہجہانی عہد کی اعلیٰ علمی فضا میں رہ کر علم و فضل کے لحاظ سے بھی مشہور ہوئی، بچپن میں تعلیم ستی النساء خانم سے حاصل کی، جو ملک الشعراء طالب آملی کی بہن اور حکیم رکنا کاشی کے بھائی کی بیوی تھی، یہ خاتون حافظ تھی اور اپنی زبان دانی، ادب شناسی اور علم قرآت و تجوید میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ ممتاز محل اور شاہجہاں دونوں اس کے قدردان تھے، ممتاز محل کی مہردار تھی اور اس کے انتقال کے بعد محل کی ''صدارت'' اسی کے سپرد ہوئی، اس کی وفات کے بعد شاہجہاں نے تیس ہزار روپے خرچ کر کے اس کا مقبرہ بنوایا، جو روضۂ تاج گنج میں ہے، جہاں آرا بیگم نے اسی خاتون کے زیرِ تعلیم رہ کر قرآت اور تجوید سیکھا [۲] اور یہ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ جہاں آرا بیگم نے اعلیٰ قسم کی تعلیم پائی، کیوں کہ وہ مصنف بھی ہوئی اور شاعر بھی، جب وہ صرف چھبیس سال کی تھی، تو اوس نے ۱۰۴۹ھ میں مونس الارواح لکھی، جس میں حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ کے اکابر خلفاء مثلاً شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت قطب الدین کاکیؒ، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت چراغ دہلویؒ کے بہت ہی عقیدت مندانہ احوال مندرج ہیں، جس سے اوس کے مذہبی اور صوفیانہ ذوق کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب کی تالیف میں اوس نے بڑی احتیاط کی ہے، چناں چہ ایک جگہ وہ رقم طراز ہے۔

---

[۱] یہ روایت بعض اردو کا کتابوں میں منقول ہے مگر فارسی تذکروں اور تاریخوں میں میری نظر سے نہیں گذری۔

[۲] مآثر الکرام جلد دوم، ص ۹۲۔۹۱

Marfat.com
Marfat.com

"احوالِ این بزرگان را کہ مقربان درگاہ صمدیت اند از کتب و رسائلِ معتبرہ باحتیاط تمام بیرون آوردہ بقید تحریر آوردہ شد، اعتقاد این ضعیفہ انچہ درین رسالہ ثبت گرویدہ صحتِ تمام دارد، امید کہ خوانند گان رافیض و بہرۂ تمام ازان حاصل آید"۔

اس احتیاط کے علاوہ کتاب کی دو اور خصوصیات ہیں، ایک تو یہ کہ یہ بہت ہی ادب اور احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ حضرت معین الدین اجمیریؒ کے ذکر کی ابتداء ان اشعار کے ساتھ کرتی ہے۔

آن شہنشاہ جہانِ معرفت ذاتِ اوبیرون ز ادراک و صفت
خسرو ملکِ فنا بے تخت و تاج از خود و از غیرِ خود بی احتیاج
غرقِ بحرِ عشق از صدق و صفا از خودی بیگانہ باحق آشنا
کرد مرغِ ہمتش زاوجِ کمال بیضۂ افلاک را در زیر بال
اختر برجِ سپہرِ لم یزلِ گوہرِ درجِ کمال بے بدل
آن معینِ دین و ملت بے نظیر فارغ از دنیاے بملکِ دین امیر
درثنائے او زبانم راچہ حد فیض او باید کہ فرماید مدد

وہ جب حضرت معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئی، تو وہاں کے جن تاثرات کو قلم بند کیا ہے۔ ان سے بھی اس کی والہانہ عقیدت مندی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے۔

"می گوید فقیرۂ حقیرہ جہان آرائے کہ چون از یاوری بخت و فیروزی طالع از دارالخلافہ اکبر آباد در خدمت والد بزرگوار خود متوجہ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر شدم از ن ہژدہم ماہ شعبان المعظم سنہ یک ہزار و پنجاہ وسنہ ہجری تا تاریخ جمعہ ہفتم ماہ رمضان المبارک کہ داخل عمارات کنارتال انا ...ا گر گشتم، موفق شدم باین معنی کہ ہر روز و ہر منزل دو

Marfat.com
Marfat.com

رکعت نماز نافلہ ادامی کردم و یکبار سورہ یٰسین با فاتحہ از کمال اخلاص و عقیدت مندی خواندہ و ثواب آنرا برروح پر فتوح مطہر منور حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ نثار می نمودم و چند روز کہ در عمارات مذکورہ توقف واقع شد ، از نہایت ادب شبہا برپلنگ نخوابیدم و بطرف روضۂ متبرکہ حضرت پیر دستگیر پادراز نساختم ، بلکہ پشت بآنجانب نکردم و روز ہا درزیرِ در ختان می گذرانیدِم .... ودر مسجد سنگ سر مر کہ پدر بزرگوار حق شناس این حقیرہ راست کردہ اند ، رفتہ نماز ادا کردہ و بازدر گنبد مبارک نشستہ سورۂ یٰسین وفاتحہ بروح پُر فتوح خواندم تا وقتِ نماز مغرب در آنجا بودم و شمع بارواح آنحضرت روشن کردہ ، روزہ باب جہالرہ افطار کردم عجب شامی دیدم آنجا کہ بہتر از صبح بود ، اگرچہ اخلاص و محبت دین فانیان تقاضائے آن نمی کرد کہ باین قسم جائے متبرک پر فیض گوشۂ عافیت رفتہ بازبخانہ بیایداماچہ چارہ ۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار میدا شتم ہمیشہ در روضۂ حضرت کہ عجب گوشۂ عافیت است ومن عاشق گوشۂ عافیت ہستم بسرمی بردم و بہ سعادت طواف نیز مشرف می شدم ناچار بچشم گریان و دل بریان بصد ہزار افسوس ازان درگاہ رخصت شدہ ، بخانہ آمدم و تمام شب طرفہ بے قراری درمن بود "۔

مونس الارواح کا سنہ تالیف ۱۰۴۹ھ ہے، لیکن یہ عبارت ۱۰۵۳ھ میں بطور ضمیمہ لکھی گئی ہے، جو دارالمصنفین کے قلمی نسخہ مرقومہ ۱۰۶۸ھ میں ہے۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت اس کا طرز انشاء ہے۔ مولنا شبلی مرحوم نے اس کی عبارت

Marfat.com
Marfat.com

کو نہایت ''صاف اور شستہ''[1] بتایا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بھی معلوم ہوگا۔

مونس الارواح کا نسخہ چھپ گیا ہے، مگر اس کا ایک بہت ہی خوش خط نسخہ دارالمصنفین میں ہے، یہ نسخہ جہاں آرا نے دربار کے مشہور خوش نویس عاقل خان سے وصلیون پر لکھوایا تھا اور تمام کتاب کو طلائی نقش و نگار اور زرّین افشاں سے مزین کرایا تھا، اس پر سنہ کتابت ۱۰۶۸ھ مرقوم ہے یعنی تصنیف کے اونیس سال کے بعد اور جہاں آرا کی عمر کے ۴۶ ویں سال میں یہ نسخہ لکھوایا گیا، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب میں جن بزرگوں کے حالات ہیں، ان سے جہاں آراء عقیدت و ارادت سنِ کہولت میں بھی بدستور قائم تھی، اس قلمی نسخہ کا سائز، ۱x۲۷ ہے، ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں اور کل صفحات کی تعداد ۱۴۴ ہے، مولنا شبلی مرحوم نے اوس کو ایک بڑی رقم میں خریدا تھا اور اپنی قلمی کتابوں کے ذخیرہ میں اوس کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ (الندوہ، اپریل ۱۹۱۱ء) یہ کتاب خطاطی کے اعلیٰ نمونہ کے طور پر لندن کی نمایش منعقدہ مئی ۱۹۱۱ء میں بھی بھیجی گئی تھی۔

جہاں آراء کے علمی مشاغل میں زیادہ تر صوفیائے کرام کے حالات کا مطالعہ ہی رہا کرتا تھا، مونس الارواح میں ایک جگہ لکھتی ہے۔

'' ایں ضعیفہ راجیہ بعد از ادائے فرض و واجبات و تلاوتِ قرآن مجید ہیچ امرے شریف تراز ذکر حالات و مقامات اولیائے کرام قدس اللہ ارواحہم نمی داند، بنابراں خلاصۂ اوقات خود را بمطالعۂ کتب و رسائلے کہ مشتمل براحوالِ سعادت مآل بزرگان دین و اکابر صاحب یقین ست صرف می نماید ''۔[2]

---

[1] الندوہ۔اپریل ۱۹۱۱ء

[2] جہان آرا بیگم کے ایک سوانح نگار نے اس کی تالیفات میں ایک سیاحت نامہ اور ایک مثنوی بھی بتائی ہے، مگر میری نظر سے ان دونوں کتابوں کے نام کسی مستند تذکرہ اور تاریخ میں نہیں گذرے، ۱۹۳۱ء میں لندن سے ایک انگریزی کتاب ایک انگریز خاتون Andrea Butenochon نے The life of a Mogul Princess Gahan Ara Begum کے نام سے شائع کی ہے خاتون مذکور نے اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ وہ آگرہ کے قلعہ کو دیکھنے میں

بقیہ حواشی اگلے صفحے پر

Marfat.com
Marfat.com

جہاں آرا شاعر بھی تھی ۔ مونس الارواح میں جا بجا اس کے اشعار درج ہیں ۔ نمونہ کے طور پر حمد کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

آنجا کہ کمال کبریاے تو بود — عالم نمے از بحر عطاے تو بود

ماراچہ حدِ حمد و ثناے تو بود — ہم حمد و ثناے تو سزاے تو بود

(بقیہ حواشی)

مصروف تھی کہ ثمن برج کے ایک شکستہ پتھر کے نیچے سے کچھ مسودے ملے، مسودے کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ جہاں آرا کی خودنوشتہ تحریریں ہیں، جن کو اوس نے شاہجہاں کے حبس کے بعد قلمبند کیا تھا وہ بھی شاہجہان کے ساتھ قید تھی، اس لیے قید ہی کے زمانہ میں اوس نے اپنی پچھلی زندگی کے واقعات لکھنے شروع کئے اور ان کو ثمن بُرج کے ایک پتھر کے نیچے یہ لکھ کر چھپا دیا کہ ثمن برج کا پتھر جب خستہ ہو جائے گا تو یہ تحریر لوگوں کے ہاتھ آئے گی ۔ جس سے اس کے اصلی خیالات، جذبات اور حالات روشن ہوں گے، تحریر میں رومانی اور تمثیلی رنگ بہت غالب ہے اور اسلوب بیان بہت ہی دلکش اور مؤثر ہے، چناں چہ اس تحریر کا انگریزی ترجمہ دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ لندن سے ۱۹۳۱ء میں شائع کر دیا گیا ہے، ہم نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک بہت غور سے پڑھا اور اس کو سراسر جعلی اور نقلی پایا، یہ محض ایک نئے اور دلنشین انداز میں جہاں آرا بیگم کے اخلاق اور کیریکٹر کو مسخ کر کے دکھانے اور اورنگزیب کی ذات سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش میں لکھی گئی ہے، اس کتاب میں بعض لغو اور لاطائل واقعات ایسے ہیں، جن کی تردید کرنا محض تضیع اوقات ہے مثلاً جہاں آرا بیگم راجپوتوں کی بہت مداح ہے ۔ وہ ایک راجپوت سردار پر عاشق ہو گئی ہے، وہ شادی اس لیے نہیں کر سکتی ہے کہ اکبر نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ مغل بادشاہوں کی لڑکیاں رشتۂ ازدواج سے محروم رہیں، چناں چہ جہاں آرا چھپ چھپ کر اپنے محبوب راجپوت سے ملتی ہے، عشق و محبت کی باتیں کرتی ہے اور اپنی یاد تازہ رکھنے کے لیے اس کو کئی تحفے دیتی ہے جب دارا اور اورنگزیب میں خانہ جنگی شروع ہوتی ہے ۔ تو جہاں آرا کی محبت اور عشق میں راجپوت سردار دارا کی حمایت میں اورنگزیب کے خلاف لڑتا ہے، جنگ میں راجپوت جہاں آرا کے ایک دوسرے عاشق کے ہاتھوں سے مارا جاتا ہے، مگر اس کا ایک ہار کسی طرح سے جہاں آرا کو مل جاتا ہے جس کو وہ ایک قیمتی یادگار سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھتی ہے، اس کتاب میں اسی قسم کی اور بھی خرافات ہیں، سب سے مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ جہاں آرا بیگم کا لباس ساری دکھایا گیا ہے اور وہ ہندو دیوتاؤں سے مثلاً شیو جی اور شنو وغیرہ سے بڑی عقیدت رکھتی ہے، اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں ۔ جو محض اورنگزیب اور ہندوستان کی مسلمان پادشاہوں کی گذشتہ تاریخ کو بدنام کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں، برنیئر منوکی اور اسمتھ وغیرہ جیسے متعصب یوروپین مورخین نے جہاں آرا بیگم کی ذات کے ساتھ بہت ہی نازیبا حکایتیں منسوب کر دی تھیں لیکن سنجیدہ مورخوں نے حقائق کی روشنی میں ان کی تردید کر دی ہے، اب ایک اچھوتے انداز میں پھر اس شہزادی کی ذات پر ناروا حملے کیے گئے ہیں، مگر یورپین مورخوں کی ہرزہ سرائی اور دشنام طرازی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ ان کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ۔

Marfat.com
Marfat.com

دیگر

اے بوصفت بیان ماہمہ ہیچ — ہمہ آنِ تو آنِ ماہمہ ہیچ
ہر چہ بیند خیال ماہمہ ہیچ — ہرچہ گوید زبانِ ماہمہ ہیچ
مابکنہ حقیقت نرسیم — اے یقین و گمان ماہمہ ہیچ

جہاں آرا بیگم کے اردو سوانح نگار منشی سیل چند، مصنف تاریخِ آگرہ کے حوالہ سے اس کا ایک مرثیہ بھی نقل کرتے ہیں، جو اوس نے اپنے باپ کی وفات کے موقع پر کہا تھا، اس کے تین اشعار یہ ہیں:

اے آفتاب من کہ شدی غائب از نظر — آیا شبِ فراق ترا ہم بود سحر؟
اے بادشاہ عالم و وی قبلۂ جہان — بکشائے چشم رحمت و برحالِ من نگر
نالم چنین زغصہ و بادم بود بدست — سوزم چو شمع در غم و دودم رو در سر

جہاں آرا بیگم کے ذوقِ شعری اور اس سلسلہ میں اس کے جود وسخا کی متعدد روایتیں تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ کلمات الشعراء (سرخوش) ریاض الشعراء اور خزانہ عامرہ میں ہے کہ جہاں آراء بیگم ایک دفعہ باغ کی سیر کو ہاتھی پر برقعہ ڈالے نکلی۔ میر صیدی طہرانی چھپ کر تماشا دیکھنے لگا، جب ہاتھی اس کے پاس سے گذرا، تو اوس نے بے ساختہ یہ مطلع پڑھا۔

برقع برُخ افگندہ برد ناز بباغش — تا نگہت گل بیختہ آید بہ دماغش

جہاں آرا نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لائیں، وہ آیا، تو اس سے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچ ہزار روپے دلوائے، لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کو شہر سے نکال دیا جائے کیوں کہ جہاں آراء بیگم کو شعر تو پسند آیا، لیکن گستاخی پسند نہ آئی۔ مولنا شبلی مرحوم اپنے مقالہ "زیب النساء" میں اس روایت کو نقل کر کے رقم طراز ہیں کہ اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بیگمات کے لیے کس قسم کے آداب مقرر تھے۔

کلمات الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں جہاں آرا بیگم کی علمی فیاضی کی اور

Marfat.com
Marfat.com

مثال درج ہے۔ مرزا حسن بیگ قزوینی نے جو شاہجہانی دربار کا ایک معزز منصب دار اور شاعر تھا۔ شاہجہاں آباد پر ایک مثنوی لکھی، اس شہر کے باغ حیات بخش کی تعریف میں جو اشعار کیے، وہ جہاں آرا کو پسند آئے، اس کے صلہ میں اس نے پانچ سو روپے انعام اس کے پاس بھجوائے۔

یدِ بیضا (قلمی نسخہ دارالمصنفین) مولانا غلام علی آزاد لکھتے ہیں کہ مرزا محمد علی ماہر نے جہاں آرا کی مدح میں ایک مثنوی لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کی، مثنوی کے اس شعر پر جہاں آرا نے اس کو پانچ سو روپے انعام دیئے۔

بذات توصفات کردگار است که خود پنہان و فیضش آشکار است

مگر مولانا غلام علی آزاد اس روایت کو سروِ آزاد (ص ۱۱۴) میں نقل کر کے لکھتے ہیں کہ شعر ان کی نظر سے نعمت خان عالی کی اس مثنوی میں بھی گذرا، جو اوس نے زیب النساء کے خرگاہ پر لکھی تھی ۔تذکرۂ مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دارالمصنفین) ہے کہ مرزا محمد علی ماہر نے نوسو (۹۰۰) اشعار کی ایک مثنوی زیب النساء کی شان میں لکھی، جس میں مذکورہ بالا شعر زیب النساء کو بے حد پسند آیا واللہ اعلم بالصواب۔

جہاں آرا کی علم پروری اور اس کے ساتھ مذہبیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اوس نے مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، جو بہت دنوں تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔

جہاں آرا بیگم نے مرنے کے بعد بھی خواجگان چشتیہ سے اپنی عقیدت قائم رکھی، یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر انوار کے ٹھیک پائیں میں اپنی خواہش کے مطابق دفن ہوئی، اس کی پرہیزگاری، نیکی، انکساری اور ذوق شعری اس کے حسب ذیل شعر سے بھی ظاہر ہے جو اس کی معمولی اور سادہ قبر پر مکتوب ہے، اس مزار کا کٹہرہ سنگ مرمر کا ہے، لیکن تعویذ بالکل خام ہے جو ہمیشہ سبزہ سے ڈھکا رہتا ہے۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسی مزارِ مرا که قبر پوشِ غریبان ہمیں گیاہ بس است

Marfat.com
Marfat.com

زیب النساء بیگم:

تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گلِ سرسبد زیب النساء بیگم ہے، یہ اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے پہلی اولاد دلرس بانو بیگم کے بطن سے تھی، دستور کے مطابق اس کو سب سے پہلے کلام پاک پڑھایا گیا، جس کے لیے عالمگیر کے ایک درباری امیر کی ماں مریم کو مقرر کیا گیا، جو کلام پاک کی حافظ تھی [۱]۔ زیب النساء بیگم نے بھی کلام پاک حفظ کیا۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس سعادت کے صلہ میں عالمگیر نے زیب النساء کو تیس ہزار اشرفیاں بطور انعام مرحمت فرمائیں [۲]، زیب النساء نے عربی اور فارسی کی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ عالمگیر نامہ مآثر عالمگیری اور مرأۃ العالم میں ہے۔

" واز تحصیل علوم عربی و فارسی بہرۂ تمام اندوختہ"

زیب النساء کے معلموں میں صرف ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی کا نام تاریخوں میں مذکور ہے، جو اس کی عمر کے اکیسویں سال میں درسی کتب کے علاوہ فقہ اصولِ فقہ اور علمِ حدیث کی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے۔ زیب النساء نے شعر و شاعری میں بھی انھی سے اصلاح لی [۳]، اس نے علم کی تکمیل کے لیے فنِ خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا۔ مآثر عالمگیری کا مؤلف رقم طراز ہے کہ وہ ہر قسم کے خطوط یعنی نسخ، نستعلیق اور شکستہ نہایت خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی [۴]، یہ فن شاید اوس نے ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی ہی سے سیکھا تھا، کیوں کہ وہ نہ صرف ایک ممتاز شاعر اور عالم تھے، بلکہ خطاط اور خوش نویس بھی تھے۔ زیب النساء کے علم و ہنر کی بنا پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی علمی کاوش اس کی علمی و ادبی تصنیفات میں بھی ظاہر ہوئی ہوگی، مگر وہ اب ناپید ہیں، مخزن الغرائب کے مؤلف نے اوس کی صرف ایک کتاب "زیب المنشآت" کا حوالہ ان الفاظ میں دیا ہے۔

" زیب المنشآت کہ از تالیف آنجناب است فقیر آن

---

۱ مآثر الامراء جلد دوم، ص ۸۲۹ ۲ مآثر عالمگیری اردو ترجمہ یونیورسٹی، ص ۳۹۴

۳ ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی پر ایک مفصل مضمون معارف نمبر ۶ جلد ۱۲ میں ملاحظہ ہو نیز دیکھو مآثر الکرام جلد دوم، ص ۱۱۶

۴ مآثر عالمگیری، ص ۳۹۴

Marfat.com
Marfat.com

رازیارت نمودہ "(قلمی نسخہ دارالمصنفین)

''زیب المنشآت'' زیب النساء کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ تھا، اس کی ایک بیاض خاص بھی تھی، جو اس کی ایک خواص ارادت فہم نامی کے ہاتھ سے حوض میں گر کر ضائع ہوگئی۔ ملا سعید اشرف ماژندرانی نے اس کی معذرت میں ارادت فہم کی طرف سے ایک طویل قطعہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں پیش کیا۔

زیب النساء کے نام سے ایک مرقع بھی منسوب ہے، جس میں قطعات، مشہور کاتبوں اور خطاطوں کے کمالات کے نمونے، ماہر نقاشوں اور مصوروں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی انواع واقسام کی تصویریں تھیں، یہ مرقع ناپید ہے، لیکن اس کا دیباچہ جس کو ایک شاعر ونثار ملا رضا راشد نے لکھا تھا۔ خدا بخش خان لائبریری میں موجود ہے، یہ دیباچہ ملی جلی نظم ونثر میں لکھا گیا ہے، اس سے زیب النساء کی علمی مجالس کا حال معلوم ہوتا ہے، شاعر مذکور لکھتا ہے کہ بیگم کی علمی مجلسوں میں نظم ونثر صرف ونحو، ہندسہ ونجوم، معانی و بیان اور ہیئت ومرایا پر علماء وفضلا جمع ہو کر بحث ومباحثہ اور تحقیق وتفتیش کیا کرتے تھے۔

نہان بود آنچہ درآثارِ قدرت — بفعل آوردہ دستِ او ز قوت
سلازم دارد آن علامۃ العصر — زاہل فضلِ و حق چون ابو النصر
سوالِ تسعہ را حاضر جوابی — ز کلیاتِ دانش انتخابی
مقولاتی عشر، عشری ز گفتار — ز علمِ وظاہر و باطن خبردار
گہے تفتیش علم صرف می شد — سخن از اسم و فعل و حرف می شد
گہے در مجلسش از نحو مذکور — ز مرفوع و زمنصوب و زمجزور
گہے از ہندسہ می کرد تعداد — زقدرِ خط وسطح و جسم و ابعاد
گہے می رفت حرف از علمِ تنجیم — ز اسطرلاب و استخراج و تقویم
گہے می کرد وصفِ علم اعداد — صحیح و کسر و زوج و فرد تعداد

Marfat.com
Marfat.com

گہ از علم بیان کرد یحکایت[1] | ز تلمیح و ز تشبیہہ و کنایت
گہ از علم معانی بود گفتار | ز اسناد و ز مسندہا خبردار
گہ از آثار علوی یاد می کرد | حدیثِ ابر و برق و بادمی کرد
بہیئت مطلع از طبعِ دراك | ز تسکین زمین، تحریكِ افلاك
شد از علم مرایا بسکہ آگاہ | بذات شخص برد از سایہ اش راہ

اس دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیب النساء بیگم طب روحانی کی بھی حاذق تھی۔

بعلم طب روحانیہ حاذق | بہ تہذیب است اخلاقش موافق

اور وہ علم موسیقی سے بھی واقف تھی۔

ز موسیقی و از الحانش آگاہ | بگوش استماعش لیك اکراہ

بیگم کی انشاء پردازی اور علمی کمال کے بارے میں لکھتا ہے۔

بلفظِ مختصر معنی مطول | عبارت مجمل و معنی مفصل
بعلم اولی تر از ہر چیز دانی | نہ در اعمال گنجد حرف ثانی

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہے:

بااہل فضل شامل جود خاصش | بعلم و شرع دایم اختصاصش
سخن سنجان معنی آفرینان | ز خرمنہاے فضلش خوشہ چینان
سخن فہم و سخن سنج و سخن دان | سخنور را نسنجد جز سخندان[1]

شعر و شاعری کی زبان کے علاوہ شاعر مذکور دیباچہ کی نثر میں بھی بیگم کی انشاء نوشت نویسی اور شاعری کا بیان کی جزالت اور الفاظ کی شوکت کے ساتھ کرتا ہے۔ مورخین اور تذکرہ نویس بھی اس کی علمی سرپرستی اور قدردانی کے بیان میں رطب اللسان ہیں۔ ماثر عالمگیری میں ہے کہ علماء

---

[1] پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈینسی کالج، کلکتہ) نے مرقع کی نقل رسالہ شمع آگرہ، بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء میں شائع کی تھی۔ یہ اشعار اسی سے لیے گئے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

وفضلا اور خوش نویسوں کا ایک گروہ زیب النساء بیگم کی سرکار سے فیض یاب ہوا کرتا تھا (ص۔۳۹۴ اردو ترجمہ) غلام علی آزاد بید بیضاء میں لکھتے ہیں۔

"ہمت به ترقیه حال ارباب فضل و کمال مصروف می داشته و جماعت کثیر از علماء شعراء و منشیان و خوشنویسان به سایهٔ قدر دانی او آسوه و بودو کتب و رسائلِ بسیار بنام اوسمتِ تالیف پذیرفته" (ید بیضا قلمی نسخه، دارالمصنفین)۔

بقول مولانا شبلی مرحوم زیب النساء کا دربار حقیقت میں ایک اکاڈیمی (بیت العلوم) تھی، اس بیت العلوم میں ہر فن کے علماء اور فضلا نوکر تھے، جو ہمیشہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے تھے۔ کتابیں عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھیں، یعنی ان کتابوں کے نام کا پہلا جز زیب کا لفظ ہوتا تھا، چناں چہ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ ملا صفی الدین اردبیلی نے بیگم کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا، تو اس کا نام زیب التفاسیر رکھا گیا۔ (اردو ترجمہ ص۳۹۴) مؤلف مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کتاب کے علاوہ اور دیگر رسائل بھی بیگم کے نام سے موسوم ہوئے (ص ۳۹۴) مگر ان رسائل کے نام کہیں اور راقمِ حروف کی نظر سے نہیں گذرے۔ زیب التفاسیر کا پانچواں حصہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں موجود ہے، یہ حصہ ۶۱۶ صفحوں میں ختم ہوا ہے اور خاتمہ کی تاریخ ۱۰۸۱ھ مرقوم ہے، فہرست نگار کا خیال ہے کہ یہ نسخہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہے۔

زیب النساء نے اپنے بیت العلوم کے علماء وفضلاء کے استفادہ کے لیے ایک اعلیٰ قسم کا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ ہنر پرور اور علم شناس شہزادی ہمیشہ کتابوں کے جمع کرنے اور نیز جدید تصنیف وتالیف کو جاری رکھنے میں کوشاں رہتی تھی، اس کا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادرالوجود تھا، (ص۳۹۴)۔

زیب النساء شاعر بھی تھی، مگر اس کی شاعری کے متعلق بہت سی بے سروپا اور بے بنیاد باتیں منسوب ہوگئی ہیں، ان باتوں کی تشہیر غیر مسلم مصنفوں نے زیادہ کی ہے "وزڈم آف دی ایسٹ

Marfat.com
Marfat.com

سیریز'' میں لندن سے دیوان زیب النساء کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں زیب النساء کی اول پچاس فارسی غزلوں کا انگریزی ترجمہ لگن لال اور جیسی ڈنکن ویسٹ بروک نے کیا ہے، شروع میں ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے، جو موخر الذکر انگریز خاتون یعنی ڈنکن ویسٹ بروک کا لکھا ہوا ہے، یہ مقدمہ بظاہر بہت ہی پر از معلومات ہے اور اس میں زیب النساء کے معاشقہ اور اس ضمن میں اس کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے بہت سے گستاخانہ قصے اور واقعات درج ہیں، مگر ان کی تکذیب اور تردید ایک دوسرے غیر مسلم مورخ سر جادوناتھ سرکار کے ایک مضمون سے ہو چکی ہے [1]، جادو ناتھ سرکار اورنگ زیب عالمگیر کے سب سے بڑے ہجو نگار ہیں۔ اس لیے اورنگ زیب کی لڑکی زیب النساء کی حمایت میں ان کا کچھ لکھنا بجبر و اکراہ حق و صداقت کا اظہار کرنا ہے۔ مولانا شبلی مرحوم نے بھی زیب النساء سے متعلق جو مہمل اور لغو روایتیں مشہور ہو گئی تھیں، ان کی تردید اپنے مضمون ''زیب النساء'' میں کردی ہے [2]۔

زیب النساء کے عشق و محبت کی طرح اس کا دیوان بھی محض فسانہ بن کر رہ گیا ہے۔ زیب النساء کا ایک مجموعۂ کلام ''دیوانِ مخفی'' کے نام سے مختلف مطابع سے چھپ کر بازار میں فروخت ہوتا ہے، مگر اربابِ نظر ان متداول نسخوں پر اپنے خیالات ظاہر کر کے بتا چکے ہیں کہ دیوان کی اندرونی شہادت کی بنا پر اس کو کسی طرح زیب النساء کا دیوان نہیں کہا جا سکتا ہے۔ پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج، کلکتہ) نے معارف نمبر ۵ جلد ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ دیوان مخفی دراصل مخفی رشتی کا ہے، جس کا وطن باصطرخ تھا، وہ شاہجہاں کے عہد میں خراساں سے ہندوستان جلب منفعت کے لیے آیا، مگر یہاں کی ہوا اس نہیں آئی، دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے قید کر دیا گیا، چوں کہ شاہی دربار میں اس کی رسائی نہ ہو سکی، اس لیے اس کا کلام اوروں کی طرح مشہور نہ ہو سکا اور ایک حد تک مخفی مگر محفوظ رہا، اس کا دیوان بعض غیر محقق مصنفوں کے ہاتھ لگا اور اسے دیکھے اور سمجھے بغیر غالباً تخلص مخفی کی رعایت کی بنا پر اس کو بیگم کی جانب منسوب کر دیا۔

---

[1] اسٹیڈیز ان مغل انڈیا، ص ۹۰۔ ۹۷

[2] مقالات شبلی جلد پنجم ص ۷ ۱۱۔ ۱۱۶ ملاحظہ ہو اور نیشنل پبلک لائبریری لیٹاگ جلد سوم ص ۱۰۔ ۱۱۵ اور پروفیسر محفوظ الحق کا مضمون زیب النساء اور دیوان مخفی، معارف نمبر ۵ جلد ۱۱

Marfat.com
Marfat.com

مستند تذکرہ نویسوں میں احمد علی سندیلوی بھی مخزن الغرائب میں زیب النساء کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"اسادیوان اشعارش جاے بنظر نیامدہ، مگر در تذکرۂ انتخابش بہ نظر آمدہ لیکن اعتبار را نشاید، سبب آن کہ اکثر شعر اساتذہ صاحبِ آن تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"

اسی سلسلہ میں احمد علی سندیلوی نے زیب النساء کے قریب پندرہ ایسے اشعار نقل کئے ہیں، جو بعض تذکروں میں زیب النساء کی طرف منسوب ہیں، لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اشعار واقعی اسی کے ہیں۔

مولانا شبلی مرحوم کا خیال ہے کہ اس کا سارا کلام شاید اس بیاض میں جمع ہوا، جو ارادت فہم سے ایک حوض میں گر کر ضائع ہوگئی۔ بہرحال زیب النساء کے شاعر ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ مرقع کا دیباچہ نگار اس کی شاعری کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے۔

زخیلِ طبع و نفسِ اندیشہ کردہ — پری و دیو را در شیشہ کردہ
زطبعش موجزن بحرِ معانی — بہ بحرِ شعر آبِ زندگانی
زنطقش نشۂ معنی زند جوش — شود سامع چو صورت محو و مدہوش
زنظم و نثر نطقش آنچہ گفتہ — درِ ناسفتہ گوہر ہاے سفتہ

مولانا شبلی مرحوم نے بعض تذکروں کے اسناد پر صرف مندرجہ ذیل رباعی کو زیب النساء بیگم کی طرف منسوب کیا ہے۔

بشکند دستے کہ خم در گردنِ یارے نشد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
صدبہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دلِ مازیب دستارے نشد۔

Marfat.com
Marfat.com

مگر پروفیسر محفوظ الحق نے معارف کے مضمون ہذا میں اس رباعی کو
بھی مشکوک بتایا ہے۔

زیب النساء کا ذوق شعری اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت میں شعرا اپنے معروضات اشعار ہی میں پیش کرتے تھے اوپر یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ زیب النساء کی بیاض اس کی ایک کنیز سے حوض میں گر گئی تھی۔ زیب النساء کے استاد ملا سعید اشرف ماژندرانی نے کنیز کی طرف سے ایک طویل معذرت نامہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ قطعہ مخزن الغرائب میں درج ہے، جس کی پوری نقل مقالاتِ شبلی حصہ پنجم کے مضمون زیب النساء میں بھی ہے۔ ہم یہاں اس کے صرف چند اشعار ناظرینِ معارف کے لیے پیش کرتے ہیں۔

اے ادا فہمے کہ پیشت فاضلانِ عصر را
شستن مجموعۂ اندیشہ باب افتادہ است
درخُم افلاطون زیاد دانشت سرخوش بود
ہمچو مخمورے کہ در فکرِ شراب افتادہ است
ذہن صافت تا علم گردید دردانشوری
طبع افلاطون زبس در اضطراب افتادہ است
دفتر فرہنگ در چنگش مجزا گشتہ است
از کفش مجموعۂ دانش درآب افتلدہ است
آن بیاض خاصۂ شاہی کہ دراطراف آن
جامے افشان نقطہائے انتخاب افتادہ است
آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر
دُرِ الفاظش بسے با آب و تاب افتادہ است

مآثر الکرام میں غلام علی آزاد بلگرامی، ملا سعید ماژندرانی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ایک

Marfat.com
Marfat.com

بارزیب النساء بیگم نے استاد کی خدمت کے لیے ایک کنیز بھیجی، مگر سعید اس سے خوش نہ رہ سکے اور اس کی ہجو میں ایک قطعہ لکھ کر زیب النساء بیگم کے پاس بھیجا۔ غلام علی آزاد نے اس قطعہ کا صرف پہلا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے۔

قدر دانشور شناسانور چشمِ عانما

اے کہ ہر گز قدرتِ ہم چشمیت حوراندا شت

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس ہجو میں ملا سعید نے کلام پاک کے الفاظ قاب، قوسینِ، اَوادنیٰ کو بہت ہی فحش طریقہ پر استعمال کیا۔ مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے، لیکن ان کو تعجب ہے کہ ملا سعید نے اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت کس طرح کی، کیوں کہ شاہی بیگمات کے آداب اور زیب النساء کا زاہدانہ مذاق اس قسم کی جرأت کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

ملا سعید کو زیب النساء کی ملازمت میں جن کافی مدت گذر گئی، تو وطن واپس جانا چاہا اور رخصت کی درخواست ایک مدحیہ قصیدہ میں لکھ کر دی، اس قصیدہ کے آخر میں لکھتا ہے۔

یکبار از وطن نتوان برگرفت دل

درغربتم اگرچہ فزون است اعتبار

پیشِ تو قرب و بعد تفاوت نمی کند

گو خدمتِ حضور نباشد مراشعار

نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان

دل پیش تست تن چہ بہ کابل چہ قندرھار

(مآثر الکرام ص ۱۱۶ جلد دوم)

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں زیب النساء کی خدمت میں شاعرانہ معروض کا ایک اور واقعہ منقول ہے، نعمت خان عالی نے جو اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ زیب النساء کے پاس ایک مرصع کلغی فروخت کے لیے بھیجی، زیب النساء نے اس کی قیمت بھیجنے میں

Marfat.com
Marfat.com

دیر کی تو نعمت خان نے یہ رباعی لکھ کر پیش کی۔

اے بندگیت سعادتِ اخترِ من　　درخدمتِ تو عیان شدہ جوہرِ من

گر جیغہ خریدنی است پس کو زرِ من　　در نیست خریدنی بزن برسرِ من

اس رباعی کے صلہ میں زیب النساء بیگم نے پانچ ہزار روپے دلوائے اور کلغی بھی واپس کردی، مولانا شبلی مرحوم نے اس واقعہ کو خزانہ عامرہ سے نقل کیا ہے۔

۱۰۹۰ھ میں زیب النساء نے ابرک کا ایک بڑا خیمہ بنوایا، جو تمام تر شیشہ کا معلوم ہوتا تھا۔ نعمت خان عالی نے اس کی تعریف میں ایک چھوٹی سی مثنوی کہی، اس کے کچھ اشعار مولانا شبلی نے اپنے مضمون زیب النساء میں بھی نقل کئے ہیں (دیکھو مقالاتِ شبلی جلد پنجم ص، ۱۱۶) زیب النساء کے دربار کے شعر و شاعری کے اسی پرچے کی بنا پر مولانا شبلی رقم طراز ہیں کہ عالمگیر کی خشک مزاجی سے شاعری اور شعراء کو جو نقصان پہنچا تھا۔ اس کی تلافی زیب النساء کے حسنِ مذاق سے ہوگئی تھی۔

اورنگ زیب کی دوسری لڑکیاں:

اورنگ زیب کی دوسری لڑکیوں کا علم و ہنر زیب النساء کی علمی شہرت کے سامنے ماند پڑ گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ گو زیب النساء کی طرح آسمانِ علم و ادب کی مہر و ماہ تو نہ بن سکیں، مگر مختلف قسم کے علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ تھیں۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی لڑکیوں میں زینت النساء بیگم نے بھی باپ کی توجہ اور فیضِ تربیت سے علمی کمالات حاصل کئے، وہ عقائدِ مذہبی، احکامِ دینی اور مسائلِ شرعی سے بخوبی واقف و آگاہ تھی۔ (مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۳۹۵) صبحِ گلشن میں زینت النساء بیگم کا ذکر ایک شاعرہ کی حیثیت سے بھی کیا ہے، مؤلف کے الفاظ یہ ہیں: (ص ۱۹۲۔۱۹۱)

"زینت النساء بیگم ہمشیرہ زیب النساء بیگم از بنات اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ است عالمہ و شاعرہ و حافظہ کلام اللہ بود، زینت المساجد بنا

Marfat.com
Marfat.com

کردہ اش الی الآن در شہر شاہجہان آباد موجود و معمور و برسنگ مزارش کہ در صحن ہمان مسجد ست این شعر خودش منقوش و منقور"۔

مونسِ مادر لحد فضلِ خدا تنہا بس است
سایۂ از ابر رحمت قبر پوشِ ما بس است

مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی ایک اورلڑکی زیب النساء بیگم کی طرح حفظ کلام اللہ کی سعادت اور علوم دینی کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی اور ہمیشہ علم کے ساتھ عمل کو بھی ملحوظ رکھا۔ عالمگیر کی ایک اورلڑکی زبدۃ النساء بیگم کے بارے میں مؤلف مذکور لکھتا ہے کہ ہمیشہ طاعت وعبادت وتحصیلِ علم میں عمر بسر کی اور ذخیرۂ سعادت فراہم کرتی رہی۔

(مئی۔جون ۱۹۴۲ء)

Marfat.com
Marfat.com

آخری مغلیہ سلاطین کا علمی ذوق

اورنگ زیب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز ہوتے ہی تاریخِ ہند کا رخ بدل گیا۔ ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلی ہوئی ،سلطنت کے نظام کے لیے عالمگیر ہی کا دل و دماغ چاہئے تھا،مگر حکومت بدلنے کے ساتھ زمانہ بدلا اور تاریخ بھی بدل گئی ،تختِ طاؤس وہی تھا،لیکن اس کے پروں کی خوش نمائی جاتی رہی تھی ، تیموری دربار وہی تھا،لیکن اس کی رونق مٹ چکی تھی اور اربابِ عقل و دانش بھی موجود تھے،مگر ان کی جودت ، فطانت اور سیاست سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ دیوان خاص کے کنگوروں سے حسرت و یاس برسنے لگی۔ دیوانِ عام کی دیواروں پر افسردگی چھا گئی اور قلعہ معلٰی سوگوار ہوگیا،معلوم نہیں یہ کارکنانِ قضا وقدر کی مصلحت تھی یا عالمگیر کی اولادوں کے اعمال کی پاداش۔ تیموری سلطنت اوجِ کمال پر تھی ،اس کے زوال کو روکنے کے لیے ایک آہنی قوت کی ضرورت تھی ،مگر وہ قوت باقی نہ تھی ،فطرت سرگرم ہوئی اور تیموری سلطنت کا وہی انجام ہوا، جو روم ، بابل اور نینوا کا ہو چکا تھا۔

عالمگیر کی دوررس نگاہیں اس نتیجہ تک پہنچ گئی تھیں ، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک لائق جانشین چھوڑنے کے لیے جس قدر مضطرب اور بے چین رہا،کوئی اور تیموری حکم ران نہ ہوا تھا ، وہ ان کو نہ صرف میدانِ جنگ میں فنونِ سپہ گری ، دربار میں رموزِ حکمرانی [1] اور قلعہ معلٰی کے اندر لکھنے پڑھنے کی تعلیم دلاتا تھا ، بلکہ ان کو اٹھنے بیٹھنے ، رہنے سہنے اور بولنے چالنے کے آداب خود سکھاتا تھا [2] مگر قدرت کو شاید منظور نہ تھا کہ اس کی عظیم الشان سلطنت کے بارگراں کو اٹھانے کے لیے کوئی لائق جانشین پیدا ہو۔

---

[1] واقعہ عالم گیری مرتبہ نبی احمد سندیلوی

[2] عالمگیر نے شہزادہ محمد سلطان بہادر کو جو شب و روز کا نظام الاوقات لکھ بھیجا تھا ، وہ رقعات عالمگیر مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف ص ۲۷۰ پر ملاحظہ ہو۔

Marfat.com
Marfat.com

بہر حال یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ شاہ عالم بہادر شاہ نے ایامِ طفلی میں حفظِ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی اور آگے چل کر قرأت و تجوید کا ماہر ثابت ہوا، مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ جب وہ قرآن پاک پڑھتا، تو سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔ علمِ حدیث سے وہ خاص دل چسپی رکھتا تھا اور اس کو اس میں اتنا درک تھا کہ علمائے حدیث اس کو سردارِ محدثین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ فقہی مسائل بلا تکلف قرآن و حدیث سے استنباط کرتا تھا، اس کے زمانہ میں جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے آگے لفظ ''وصی'' کے اضافہ کے سلسلہ میں جو جھگڑا پیدا ہوا، اس میں علماً و فقہاء سے اس نے خود مناظرہ کیا[1]، حدیث، فقہ، تفسیر و سلوک کی کتابیں برابر مطالعہ میں رکھتا تھا۔ مصنف مذکور کا بیان ہے کہ عربی زبان میں ''عرب عربا'' اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہلِ زبان کے ''ہم پلہ'' تھا، فن خوش نویسی میں بقول مصنف ہذا ''یکتائے زمانہ'' تھا اور مختلف قسم کے خطوط میں کمال حاصل کیا تھا[2]، خلاصہ التواریخ کا مصنف بھی اس کی تائید ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''و آن سنتخب صحیفہ لیل و نہار باقتضاے سعادت فطری و میامن ترتیب حضرت خلد مکان از طلوع صبح تمیز اذ خار شرائف نفسانی و کمالات انسانی نمودہ و آن برگزیدہ روزگار ایام شباب بیشتر صرف علم تحصیل نمودہ، علم با عمل قرین ساخت سلاست و فصاحت تکلمِ عربی و ترکی و فارسی زیبائی و در اقسام تحریر خطوط مرتبہ استادی و رسائی اکثر شب را یاد نوافل و تقدیم و ظائف و قرآت قرآن مجید و مطالعۂ کتب حدیث و تفسیر و فقہ و سلوک زندہ می داشتند .....''[3]

یا تو عالمگیری دربار کے زوال کے باعث یا شاہ عالمی عہد کے اختصار کے سبب سے دربار

---

[1] خافی خان جلد دوم ص ۶۸۳ [2] مآثر عالمگیری ذکر اولاد مذکور

[3] خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے قلمی نسخہ دار المصنفین

Marfat.com
Marfat.com

میں وہ فضا قائم نہ ہوسکی، جو اس کے اسلاف کے زمانہ میں تھی، اس لیے اس کاروبار علم و ہنر کی تابانی اور شعر و شاعری کی زمزمہ سنجی سے خالی رہا۔ گذشتہ عہد میں ایران سے علم و ادب کا جو سرچشمہ پھوٹا تھا یکا یک خشک ہوگیا، بلند پایہ شعراء اور قابلِ قدر فضلاء ناپیدا ہو گئے۔ قابلِ ذکر شعراء میں صرف عبدالقادر بیدل اور نعمت خان عالی باقیات صالحات میں رہ گئے تھے۔ مرزا بیدل بہادر شاہ کے ایامِ شاہزادگی میں اس کے متوسلین میں ضرور تھے، لیکن درباری قصیدہ خوانی کرنا ننگ و عار سمجھتے تھے۔ شہزادہ معظم نے ایک بار قصیدہ کہنے کی فرمایش کی، تو دل برداشتہ ہوکر ملازمت سے کنارہ کش ہوگئے اور بقیہ عمر فقر و توکل میں بسر کی۔[1]

نعمت خان عالی کا ذکر گذشتہ مضامین میں آچکا ہے، بہادر شاہ نے اپنے زمانہ میں اس کو دانشمند خان کے خطاب سے سرفراز کیا، دانشمند خان اس عہد کی منظوم تاریخ ''شاہ نامہ'' لکھ رہا تھا کہ خود اس کی زندگی کا ورق الٹ گیا۔[2]

دربار کے دوسرے نامور شاعر یہ تھے۔

میرزا مبارک اللہ مخاطب بہ ارادت خان المتخلص بہ واضح، خان اعظم شاہجہانی کا تیسرا لڑکا تھا۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں ارادت خان کا خطاب پایا۔ ۱۱۰۰ھ میں چاکنہ کی فوج داری پر مامور ہوا، پھر ۱۱۰۸ھ میں اورنگ آباد کی فوج داری اور اس کے بعد گلبرگہ کی قلعہ داری پر مقرر ہوا، شاہ عالم کے زمانہ میں منصب چہار ہزاری سے سرفراز ہوا، علم و فضل میں ممتاز تھا۔ صاحب مآثر الامراء کا بیان ہے۔

''مذاق تصوف داشت و در شعر بسیار نازک خیال بود،

---

[1] مآثر الکرام ص ۱۴۸ دیوان کے علاوہ مرزا بیدل کی تصنیفات یہ ہیں، ۱) محیط اعظم ۲) طلسم حیرت ۳) گلگشت حقیقت ۴) طور معرفت، عرفان، ۶) بیاض، ۷) نکات، ۸) رقعات، ۹) چہار عنصر

[2] مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۳۷ نعمت خان عالی کی تصنیفات یہ ہیں، ۱) بہادر شاہ نامہ ۲) وقائع حیدرآباد ۳) رقعات نعمت خان ۴) حسن و عشق، ۵) قصائد و قطعہ ہا ہجو ہا، ۶) ایک اخلاقی مثنوی (انڈیا آفس لائبریری. مخطوطات فارسی، ص ۹۰۳)۔ (دیکھو ص ۴۸)

Marfat.com
Marfat.com

واضح تخلص می کرد، صاحبِ دیوان است''[1]

انتخاب کلیات واضح (موجودہ انڈیا آفس لائبریری) میں چھ مثنویاں بھی ہیں، جن میں صوفیانہ خیالات و مسائل منظوم کیے گئے ہیں[2]، تاریخ ارادت خان کے نام سے ایک تاریخ بھی لکھی، جو عالمگیر کی وفات سے لے کر فرخ سیر کے عہد کے واقعات تک پر مشتمل ہے۔[3]

میرزا سید حسین خالص، عالمگیر کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان آیا، امتیاز خان کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں میر آخور پادشاہی کے عہدہ پر مامور ہوا۔ ایران واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں سندھ کے پاس کسی نے قتل کر دیا، تاریخِ وفات ''آہ آہ امتیاز خان'' سے نکلتی ہے۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا، جس میں قصائد، غزلیات، قطعات اور رباعیات ہیں۔ ایک مثنوی بھی اس کے نام سے منسوب ہے۔[4]

قزلباش خان امید، اصلی نام مرزا محمد رضا تھا۔ ہمدان کا رہنے والا تھا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور اس کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوا۔ قزلباش خاں کا خطاب اور ایک ہزاری منصب شاہی دربار سے ملا۔ چناں چہ خود کہتا ہے۔

---

[1] مآثر الامراء جلد اول ص ۲۰۵، اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

رشک فرمائے دلم نیست بجز عیش حباب	یافت یک پیرہن ہستی وآن ہم کفن است
عارف از و پراست ولی او نمی شود	آئینہ رونما شود و رونمی شود
ز مقراض فنا نوراست شمع زندگانی را	بود آبِ دمِ شمشیر صندل سر گرانی را
چہ الفت است بزلف تو بیقراراں را	بلے سیاہ پسنداست سوگواران را
سوجم و وحشت کند محروم از ساحل مرا	درطپیدن رفت از کف دامن قاتل مرا
گلہ صاف بہ از عفو غبار آلود است	ہست دوزخ گنہی کہ بمدا را بخشد
بہار وقف صباء گل بکام گلچیں باد	کہ مابہ کنج قفس طرح آشیاں کردیم

[2] انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ جلد اول ص ۹۰۹ [3] الیٹ جلد ہفتم ص ۵۳۲ تا ۵۴۴

[4] فہرست کتب خانہ اودھ اسپرنگر ص ۱۵۰۔ ۱۴۱۔ ۱۲۱۔ ۱۱۱

Marfat.com
Marfat.com

ہمچو بلبل ہمیشہ نالائیم

ایں بود منصب ہزاری ما

ایک فارسی دیوان چھوڑا۔[1] ریختہ میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا، فن موسیقی کا بھی ماہر تھا۔[2]

بندرا بن داس بہادر شاہی مصنف خلاصۃ التواریخ کے علاوہ جگ جیون داس ولد منوہر داس بھی بہادر شاہ اول کے درباری متوسلین میں تھا۔ گجرات کا باشندہ تھا۔ ۱۱۱۹ھ میں بہادر شاہ نے لاہور کے دربار میں باریابی بخشی اور وقائع نگاری کی خدمت پر مامور کیا۔ ۱۱۲۰ھ میں اوس نے منتخب التواریخ لکھ کر بارگاہ شاہی میں پیش کی، جس کے صلہ میں خطاب و خلعت اور انعام سے سرفراز ہوا۔[3]

بہادر شاہ کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کے اقبال کا آفتاب اور بھی تیزی سے ڈھلنے لگا، تاریک بادلوں کے اندر سے کبھی کبھی امید کی شعاعیں نکلتی تھیں، تو ان میں نور کے بجائے ظلمت ہی نظر آتی تھی۔ تیموری دربار کا شیرازہ بکھر گیا، تدبر و سیاست میں انتشار آ گیا۔ بیرونی فتوحات کی جگہ اب صرف خانہ جنگیاں رہ گئی تھیں، میدانِ جنگ میں خون آشامیوں کے بعد دربار قائم بھی ہوا، تو اس میں نہ اسلاف کی روایات تھیں، نہ ان کی متانت اور نہ ان کا وقار۔ بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ تخت نشیں ہوا، گو اس کی حکومت کی مدت صرف دس مہینے رہی، لیکن اس کی بوالہوی اور ہوس ناکی نے شاہی دربار کی عزت و ناموس کو ایسا صدمہ پہونچایا کہ آیندہ تمام تیموری سلاطین کی حکومت محض

---

[1] انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ جلد اول ص ۹۲۲

[2] اسپرنگر ص ۱۵۳ اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

روشن شود به پیش توچوں شمع سوزمن — یک شب اگر تو به نشینی [illegible]

خوشا وقتے که می بالید از جاناں برووشم — برنگ ماه نو بهر شام برمی [illegible]

گشت روگرداں زبس آبادی ازو یرانه ام — چوں کمان حلقه بیرون [illegible] درون خانه ام

خدا ناکرده اندوہت چرا از دوستاں باشد — شنیدم کلفتے داری نصیب دشمناں باشد

[3] مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۲۱۰۔ اس کے ریختہ کے اشعار کا تذکرہ گلزار ابراہیم از میرزا علی متخلص بہ لطف ملاحظہ ہو۔

Marfat.com
Marfat.com

تذلیل وتضحیک کی داستان بن کر رہ گئی ، اس خانہ بربادی اور طوائف الملوکی میں علم وفضل کی مسند دربار میں بچھتی ،تو کیوں کر؟ محمد شاہ ،شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر میں اسلاف کی علم پروری اور ادب نوازی کا خمیر موجود ضرور تھا ،مگر ان کی شمعِ سحر میں ان کے اسلاف کے آفتاب نصف النہار کی ضوفشانی کہاں سے آتی ،حکومت محض شامِ غریباں بن کر رہ گئی تھی ،اس میں علماء وفضلا کی بہار کہاں سے پیدا ہوتی۔

فرخ سیر کی مدتِ حکومت سات سال رہی اور یہ مغلیہ خاندان کا وہ زمانہ ہے ،جب شاہی دربار میں مدبّروں اور ہوش مندوں کا ایک قابلِ قدر اجتماع ہو گیا تھا۔نظام الملک آصف جاہ کی سیاست ،امیر الامراء سید حسین علی خان کی فراست ،قطب الملک عبداللہ کی فرزانگی اور میر جملہ کی مردانگی اگر ایک ساتھ متحد ہو جاتیں ،تو کیا عجب تھا کہ ایک بار پھر اکبری دبدبہ اور شاہجہانی شوکت کی جھلک نظر نہ آجاتی ،لیکن دربار کی ریشہ دوانیوں اور آپس کی فتنہ انگیزیوں نے تباہی اور بربادی کی چنگاریوں کو اس طرح مشتعل کیا کہ سلطنت محض خاکستر ہو کر رہ گئی۔

فرخ سیر کا ذوق علم وفضل سے عاری رہا ،لیکن اس کے درباری امراء تدبر وفراست کے ساتھ علم وادب میں بھی ممتاز تھے ،چناں چہ نظام الملک آصف جاہ ایک اعلیٰ مدبر ہونے کے علاوہ ادیب اور شاعر بھی تھا۔خانی خان اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

''از علوم عقلی و نقلی کہ سرمایۂ حاصل زندگانی و کلید فتح ابواب ترقی دنیوی و نجاتِ اخروی است ، بہرہ حاصل نمودہ و در ربط کلام نظم و نثر دست تام دارد و شاکر تخلص می نماید ، چناں چہ دوسہ بیت از زادۂ طبع آن بزرگ نثراد نگاشتہ می آید''۔

چوں گل بہ بوئے وصل گریبان دریدنی است　　آہے زسوز سینۂ بریاں کشیدنی است

ز نہار دل بہ نقش و نگارِ جہاں مبند　　رنگے کہ دیدۂ زرُخِ گل پریدنی است

Marfat.com
Marfat.com

شاکر برنگ برق درین عرصۂ خیال دامن زخویش پر زدہ رہ دویدنی است [1]

آصف جاہ کے بارے میں مآثر الکرم میں ہے۔

"نواب طبع موزونی داشت و دیوانے ضخیم از نتائج طبعش فراہم آمدہ" [2]

امیر الامراء سید حسین علی خان کے بیان میں صاحبِ مآثر الکرام رقم طراز ہیں۔

"امیر الامراء خوش ذہن بود و شعر خوب می فہمید و درفن تاریخ دانی منفردمی زیست وار بابِ کمال را فراوان دوست می داشت و بعد نماز صبح اذن بود کہ صاحب کمال در آیندہ و تایك پاس روز با اینہا صحبت می داشت و تاکید بود کہ دران وقت دیوانیان و متصدیاں حاضر نہ شوند ..... میر عبدالجلیل مرحوم تعریف خوش فہمی امیر الامرابسیارمی کرد"۔ [3]

آصف جاہ اور امیر الامراء دونوں علامہ سید عبدالجلیل واسطی بلگرامی کو بہت محبوب اور عزیز رکھتے تھے۔علامہ موصوف فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت اور بھاشا کے فاضلِ اجل تھے اور اپنے ذاتی تقدس اوصافِ عالیہ اور علمی کمالات کے لحاظ سے اب تک عزت و وقعت سے یاد کیے جاتے ہیں۔امیر الامراء سید حسین علی خان سے ان کے تعلقات کا حال صاحب مآثر الکرام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"امیر الامرا سید حسین علی کہ با ایشان الفتے خاص داشت و اکثر در مجالس خود بر ملا می گفت کہ میر عبدالجلیل درین عصر نظیر ندارند ولوازم احترام فوق

---

[1] خافی خان، ص ۷۴۷ [2] مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۸۱ [3] ایضاً ص ۱۷۱

Marfat.com
Marfat.com

الحد بتقدیم می رساند "[1]

علامہ موصوف آصف جاہ کے حضور میں نواب امین الدولہ کی وساطت سے پیش کیے گئے، تو:

" نواب (آصف جاہ) اعزاز و اکرام فراوان بعمل آورد و برابر خود بے فاصلہ جاداد و چون نسخۂ قصیدہ از نظر گذشت ، شمع را نزدیك طلبیده اشاره بانشاد قصیده کرد ، ہر یك بیت را بفہم در آورده بتوجه تمام اصغا نمود و جواہر تحسین افشاند ، بعد استماع قصیده صلۂ نقد و خلعت و اسپ تکلیف فرمود علامہ مرحوم موافق ضابطه قدیم خود نپذیر فتند "[2]

علامۂ موصوف کو بھی ان دونوں سے بڑی شیفتگی تھی۔ آصف جاہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا، اس میں اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

نظام ملت و ملك افتخار اہلِ کرم — قوام دین ود دل آفتاب مجدو علا
چواوندیده امیری مہذب الاخلاق — بعینك مه و مہرایں سپہر پشت دوتا
مثال روح مصّور بود بپا کی ذات — نشان عقل مجسم بود به فہم و ذکا
صفای آئینه رائے او بود چندان — که می نماید ازوانچه رو د بد فردا
کرم زدست گہر بار اوبود ممنون — ظفر به تیغ چمن کار او بود شیدا
ہزار شکر کزو مسند و زارت یافت — ہمان که یافت تنِ عا ذرا از دم عیسٰے
ملائك از پے آمین این دعاشده اند — برنگ نرگس و گل چشم و گوش فوق سما
ہمیشه ہر دو زہم شاد و کامران باشند — وی از وزارت و از وی وزارت اعلی[3]

---

[1] مآثر الکرام دفتر ثانی ۲۶۳ [2] ایضاً ص ۱۸۲ [3] ایضاً ص ۱۸۲

Marfat.com
Marfat.com

امیر الامراء کے قتل سے علامہ موصوف نے سینہ فگار ہو کر جو خونچکان ماتم کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

آثار کربلاست عیان از جبینِ ہند — زد جوش خونِ آل نبی از زمینِ ہند
شد ماتم حسین علی تازہ در جہان — سادات گشتہ اند مصیبت نشین ہند
نیلی است زین معاملہ پیراہنِ عرب — دز خونِ گریہ سرخ شد است آستین ہند
گیتی چراسیاہ نہ گرد و زدو دِغم — خاموش شد چراغ نشاط آفرین ہند
ہند این چنیں مصیبت عظمیٰ ندیدہ است — دیدیم داستان شہود وسنینِ ہند
از داغ دل زدند چراغانِ اشك جوش — این است نو بہار گل آتشین ہند
ماہی در آب می طپد و مرغ در ہوا — از شیون عظیم امیر مہین ہند
ہند از شہادتش تن بے روح گشتہ است — یعنی کہ بود او نفس واپسین ہند[1]

فرخ سیر کے درباری امراء میں مرزا عبدالمعالی عالی وزارت خان بھی شعر و شاعری میں طبع آزمائی کرتا تھا گرامی تخلص رکھتا تھا، مآثر الامراء میں ہے:

"وزارت خان متخلص بہ گرامی بحسنات شگرف سر آمداوان بود، طبع موزوں داشت، صاحب دیوان است این شعر از و مشہور۔

تا قافلہ سالار جنوں فال سفرزد — دیوانۂ ما دامن صحرا بکمر زد[2]

محمد شاہ:

محمد شاہی عہد میں سادات کے قتل کے بعد خانہ جنگیوں کی کمی نسبتاً ضرور رہی لیکن اس سے طویل زمانہ میں وہ تمام سامان ایک ایک کر کے جمع ہونا شروع ہو گئے، جو ایک عظیم الشان سلطنت

[1] مآثر الکرم دفتر ثانی ص ۷۳۔۱۷۲۔۱۷۱ [2] مآثر الامراء جلد اول ص ۲۶۰

Marfat.com
Marfat.com

کونیست و نابود کرنے کے لیے ضروری ہیں، دربار میں اکبری الوالعزمی کے بجائے شیشہ و پیمانہ کی بدمستی تھی، شاہجہانی شوکت وحشمت کی جگہ حسرت و یاس کی تصویر تھی اور عالمگیری جاہ وجلال کی جگہ بے بسی اور بے کسی کا عبرت ناک منظر تھا، بادشاہ وقت اپنے امراء اور درباریوں کے ہاتھ میں ایک بے جان آلۂ کار رہ گیا تھا، خودغرض امراء میں نہ نیت کی پاکیزگی تھی، نہ مقصد کی یکجہتی، رہی سہی قوت نادر خان کی خون ریزی، مرہٹوں کی غارتگری اور روہیلوں کی سرکشی سے جاتی رہی، تیموریوں کی عظیم الشان حکومت کی بساط اب الٹنے کو تھی، صدیوں کا لگایا ہوا چمن ہمیشہ کے لیے ویران ہونے کو تھا اور ایک پرشکوہ تہذیب وتمدن کا شیرازہ بکھرنے والا تھا۔

سلطنت کا دبدبہ اور حکومت کی شوکت تو جا ہی رہی تھی، مغلیہ سلاطین اپنی زبان بھی کھو بیٹھے، دربار اور بازار میں فارسی کے بجائے اب ہندوستانی زبان کا اثر اقتدار تھا، ایک حکم ران قوم سے جب دولت گئی اور زبان بھی گئی، تو پھر اس کے مٹنے میں کیا دیر تھی، صرف وقت کا انتظار تھا۔

محمد شاہ نے فارسی زبان کے بجائے ہندوستانی زبان میں اپنے علمی ذوق کا اظہار کیا، بارہ ماسہ اور بگٹٹ کہانی دو تصانیف اس کے نام کے ساتھ منسوب ہیں، اس نے ہندوستانی زبان میں طبع آزمائی بھی کی ہے، اشعار ملاحظہ ہوں۔

پیری میں نہ کس طرح کروں سیر جہان کی　　دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشہ گزری کا

کھول کر بند قبا دل کے تئیں غارت کیا　　کیا حصار قلب دلبر نے کھلے بندوں کیا

خوف سے مار کے یاراں اسے لرزاں نہ کرو　　زلف کا نام نہ لو اور پریشان نہ کرو

مندرجہ بالا اشعار کی زبان کتنی صاف ہے، یہ وہ زمانہ ہے، جب ہندوستانی زبان دکن سے شاہجہان آباد آ گئی تھی، ولی دکنی دکن سے دہلی آئے، تو ان کی شاعری کی غلغلہ ہر طرف پھیلا، محفلوں میں ان ہی کی غزلوں کا چرچا ہوتا، ارباب نشاط ان ہی کی غزلیں گاتے، سنتے اور سر دھنتے تھے، اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ فارسی کے کہنہ مشق اساتذہ بھی ریختہ میں طبع آزمائی کرنے لگے، چناں چہ قزلباش خاں امید، مرزا عبدالقادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، مرزا علی قلی خان ندیم اور

Marfat.com
Marfat.com

مرزا مرتضیٰ قلی فراق جیسے باکمال فارسی شعرا نے بھی ریختہ میں اشعار موزوں کئے ہیں [1]، یہی نہیں بلکہ تھوڑے دنوں کے اندر درباریوں، مجلسوں اور بازاروں میں فیضی، نظیری، عرفی، طالب قدسی، صائب اور کلیم کے بجائے مظہر، سودا، میر، درد، اثر، ذوق، مومن اور غالب کی زمزمہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں کا چرچا ہو گیا، شعراء کی تمام جولانیاں ہندوستانی زبان میں ہونے لگے، مگر شراب وہی رہی صرف شیشہ و ساغر بدل گیا۔

محمد شاہ کا عہد اس لحاظ سے نہایت ممتاز تھا کہ اس میں بڑے بڑے اربابِ فضل و کمال مجتمع تھے۔ فارسی شعراء میں قزلباش خان امید، سلیمان قلی خان داؤد، علی قلی خان ندیم، شیخ سعد اللہ گلشن، مرتضیٰ قلی خان فراق، میر شمس الدین فقر، مرزا عبدالقادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، فائز، شہرت، صابر، مخلص، ریختہ گوئی میں نواب عمدۃ الملک نواب عنایت خان راسخ نواب محمد شاکر خاں شاکر خان عالیشان جعفر علی خان، خواجہ ناصر عندلیب، شاہ، حاتم، میر ضاحک، میاں عبدالحئی تاباں، جعفر زٹلی، مرزا مظہر جانجاناں اور ہندی شعراء میں اعظم خان دیوی کوئی، صورت مسر، وغیرہ موجود تھے، یہاں پر ہم صرف ان شعراء کا ذکر کریں گے، جن کا تعلق براہ راست محمد شاہ سے رہا۔

انجام امیر خاں نام اور نواب عمدۃ الملک خطاب تھا، عمدۃ الملک نواب امیر خاں عالمگیری کا بیٹا تھا، شعر و شاعری اور لطیفہ گوئی میں نہایت ستھرا مذاق رکھتا تھا، محمد شاہ کے نہایت محبوب ہم جلیسوں میں تھا، تذکرۂ گلزار ابراہیم میں نواب موصوف کا ذکر اس طرح ہے۔

''اس عالی دودمان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت برآر ہوئی تھی کہ رشک تھا، ان سب ارکانِ دولت کو اور اعیان مملکت کو حسد تھا، لطیفہ گوئی کی طرف ان کی طبیعت نہایت مصروف تھی اور خوش طبعی سے مزاج بہ شدت مالوف، گردشِ چشم کے سمجھنے میں زمانے کے استاد تھے اور شیریں کاری میں اپنے وقت کے فرہاد موجود ناز و انداز کی تہ داریوں کے اور اختلاط کرنے والے چتون کی جادو کاریوں کے گانے میں دخل ایسا تھا کہ استاد اس فن کے

---

[1] ان کی ریختہ گوئی کی مثال گلشنِ ہند مصنفہ مرزا علی لطف میں ملاحظہ ہو۔

Marfat.com
Marfat.com

دم شاگردی کا مارتے تھے اور نادبید کی باتوں میں بڑے بڑے گیانی ان کے آگے جی ہارتے تھے، بادشاہ کو ایسا اپنی طرف مصروف کرلیا تھا کہ ایک دم کی جدائی ان کی جہان پناہ کو شاق تھی اور آٹھ پر☆ طبیعت ان کی طرف مشتاق تھی۔'' ۱

۱۱۵۶ء میں شاہی دربار کی سازشوں سے قتل ہوا، فارسی اور ہندوستانی دونوں میں اشعار کہتا تھا ۲، اس کا دربار شعراء کا مسکن بنا ہوا تھا، بذلہ سنجیوں کی محفلیں برابر گرم رہتی تھیں، زمانہ کے تمام باکمال اربابِ سخن اس کے یہاں جمع ہوتے، نواب عنایت خان راسخ اور نواب حمد شاکر خان شاکر پانی پت سے آکر شریکِ بزم ہوتے تھے، شرف الدین مضمون، خواجہ ناصر عندلیب، شاہ حاتم، میر ضاحک اور ہندی زبان کے شعراء میں انند گھن، دیوی کوی اور صورت مسر بھی نواب موصوف کی علم پرور صحبتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، میر محمد شاکر ناجی نواب کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے۔ ۳ ہندرابن خوشگو نے سفینہ خوشگوار اور تذکرۃ المعاصرین لکھ کر اس کی سرکار میں پیش کیں اس نے پوری قدردانی کی اور دو روپیہ روز ینہ وظیفہ مقرر کیا۔ ۴

خان عالیشان جعفر علی خان، مرزا مومن بیگ کا لڑکا تھا، ذہین، ذکی اور طباع شاعر تھا، محمد شاہ نے سہ ہزاری منصب پر فائز کیا، محمد شاہ کی فرمائش پر ''مثنوی حقہ'' لکھنی شروع کی، لیکن نامکمل رہ گئی، میان حاتم نے اس کو پورا کیا۔ ۵

شہرت شیخ حسین شیرازی عربی النسل تھا، لیکن ایران میں نشو ونما پائی، عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آیا، محمد اعظم کا طبیب مقرر ہوا، فرخ سیر نے حکیم الممالک کا خطاب دیا، محمد شاہ کے

☆ آٹھ پہر ہو جانا چاہیے تھا، ٹائپ کی غلطی ہے۔

۱ گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد) ص ۱۴ تذکرۂ میر حسن میں ہے۔

''نواب امیر خان از امرائے عظام وظرفائے عالی مقام نواب عمدۃ الملک خوش طبع وشیریں کلام از مقربان درگاہ فردوس آرام گاہ بود، لطائف وظرائفِ او مشہور ومعروف است۔ (ص ۴۵، مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)

۲ ایضاً، ۳ گل رعنا، ص ۱۰۷ ۴ معارف نمبر ۲ جلد ۳ ص ۶۰

۵ تذکرہ میر حسن، ص ۴۷

Marfat.com
Marfat.com

عہد میں چہار ہزاری منصب سے سرفرازی حاصل ہوئی [۱]، ۱۱۹۴ھ میں وفات پائی، پانچ ہزار اشعار کا ایک دیوان چھوڑا [۲]

مصطفیٰ قلی خان یکرنگ تذکرۂ میر حسن میں ہے۔

" در گلشن بہار سخن آب ورنگ و در چمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفےٰ قلی خان المتخلص بہ یکرنگ مرد عمدہ بود، در عہد فردوس آرام گاہ نبیرۂ خان جہاں لودھی در سلک ملا زمانِ بادشاہی منسلک بود " [۳]

رائے انندرام مخلص، مخزن الغرائب میں مخلص کا حال اس طرح درج ہے۔

" وی ازاعیان چھتریاں است بہ صیغۂ وکالت نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان بہادر و نور الدین خان گوپاموی کہ ناظم صوبہ ارکاٹ دکن بودہ در حضور محمد شاہ بادشاہ شرف اندوزی داشت، بسبب جانی و فربہی از مجرائے بادشاہ باز ماندہ در شعر تلمذ از مرزا بیدل داشت، بعد ازاں اشعار خود را از نظر خان آرزو گذرانیدہ، خانہ اش در شاہجہان آباد مسکن فضلاء و شعراء بود " [۴]

---

۱ مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۳۰۱

۲ اسپرنگر، ص ۱۵۶ بوڈلین لائبریری میں اس کا دیوان موجود ہے، اشعار کے نمونے مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۲۰۳ پر ملاحظہ ہوں۔

۳ تذکرہ میر حسن ص ۲۱۷

۴ مخزن الغرائب قلمی نسخہ، دار المصنفین اعظم گڑھ، اس کے ریختہ کے اشعار تذکرہ میر حسن اور گلزار ابراہیم میں ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com
Marfat.com

آنند رام مخلص نے تذکرہ کے نام سے ایک تاریخی کتاب بھی لکھی ہے، جس میں نادر شاہ کے حملہ کے چشم دید واقعات ہیں (الیٹ جلد ہشتم، ص ۷۶)۔

لال رام، باپ کا نام رائے دولہ رام تھا، اس کا دادا رائے کنجمن عالمگیری ملازموں میں تھا، لال رام محمد شاہ کی سرکار میں نوکر تھا، ۱۱۴۸ھ میں تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھ کر دربار شاہی میں تحفہ پیش کی۔[1]

محمد شاہ کا علمی کارنامہ علم ہیئت سے متعلق ہے، یہ کارنامہ اس کے درباری ہندو امیر راجہ جے سنگھ کچھواہا کے حسنِ ذوق اور مساعی جمیلہ سے تکمیل کو پہونچا، جے سنگھ عالمگیر اور اس کے جانشیوں کے عہد میں فوجی خدمت کے لیے ممتاز تھا، محمد شاہ کے عہد میں آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر ہوا، جے سنگھ ایک کامیاب فوجی افسر اور باوقار حاکم ہونے کے علاوہ علم و ہنر کا بھی سرپرست تھا، عربی علوم وفنون میں خاص دست گاہ رکھتا تھا، علم ہیئت سے اس کو بڑی دل چسپی تھی اس نے الغ بیگ کی زیج جدید، ملا چاند اکبری کی تسہیلات اور ملا فرید شاہجہانی کی زیج شاہجہانی کے اصول پر زیج محمد شاہی ترتیب دے کر بادشاہ کے حضور میں پیش کی، اس فن سے محمد شاہ کی دل چسپی اور شغف کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ اس کے حکم سے مسلمان برہمن اور فرنگی علمائے ہیئت جمع کیے گئے اور ۱۱۳۷ھ میں دلی میں ایک جدید رصد خانہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا، میرزا خیر اللہ مہندس اس کا مہتمم تھا، اس رصد خانے میں بعض آلات ایسے تھے، جو سمرقند کے الغ بیگی رصد خانے میں استعمال کئے جا چکے تھے اور بعض خود راجہ مذکور کے ایجاد کئے ہوئے تھے۔[2]

---

[1] معارف نمبر ۲ جلد ۴ محمد شاہ کی علمی کی نوازی کا پتہ اس سے بھی چلے گا کہ ایک بار اس نے نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان کو مرزا مظہر جانجاناں کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا، اتنا بڑا ملک خدا نے مجھ کو دیا ہے، اس میں جو کچھ چاہئے، قبول فرمایئے لیکن مرزا صاحب کے استغنا کا یہ حال تھا کہ ہنس کر فرمایا ''قل متاع الدنیا قلیل'' خدا نے ہفت اقلیم کو قلیل فرمایا ہے، پھر ایک اقلیم میں سے ایک ولایت آپ کے حصہ میں آئی ہے، وہ کتنی ہے کہ فقیر اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے۔ (گل رعنا، ص ۱۲۳)

[2] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون ''مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی'' (معارف نمبر ۵، ص ۲۲۹)

Marfat.com
Marfat.com

راجہ نے اس غرض سے کہ رصد خانے کی تمام تحقیقات صحیح ہوں اور ان کی تصدیق ہوتی جائے، دہلی کے رصد خانہ کے نمونے پر جے پور متھرا، بنارس اور اجین میں بھی رصد خانے بنوائے، ان رصد خانوں میں ہندو مسلمان اور فرنگی علمائے ہیئت نے سات برس تک کام کیا یہی نہیں، بلکہ کچھ لوگ پادری مینویل کی معیت میں یورپ گئے اور وہاں سے جو معلومات اور تحقیقات حاصل ہوئیں ان کا مقابلہ یہاں کے اصولوں سے کیا گیا، پھر ان تحقیقاتوں سے زیج محمد شاہی تیار کی گئی، جو تین مقالات پر مشتمل ہے، اول اور معرفت سنین، دوم در معرفتِ طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات وثوابت[1] اس سلسلہ میں راجہ مذکور نے مزید قابلِ قدر خدمت یہ انجام دی کہ عربی زبان کی مستند علم ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا اور اس پر ہزاروں روپے صرف کئے۔[2]

محمد شاہ کے بعد مغلیہ سلطنت کی مدت کہنے کو تو ایک سو دس برس اور رہی، لیکن دلی کی حکومت بقول آزاد ایک ''ٹوٹی پھوٹی ہوئی درگاہ'' تھی، جس کے پانچ اور سجادہ نشین ہوئے، احمد شاہ[3] کی وفات پر شہنشاہ عالمگیر کے وارثوں کے قبضہ میں دوآبہ اور ستلج کے چند ضلعے رہ گئے تھے، گجرات مرہٹوں کی پامالی میں تھا، بنگال، بہار اور اڑیسہ علی وردی خان کے جانشینوں کے تصرف میں تھے، اودھ میں صفدر جنگ کا پرچم لہرا رہا تھا، وسطِ دوآب میں بنگش حکمرانی کر رہے تھے، روہیلکھنڈ، روہیلون کے قبضہ میں تھا، پنجاب احمد شاہ درانی کو دے دیا گیا تھا، دکن میں نظام کی اولاد جھگڑ رہی تھی، ان کے علاوہ یوروپین طاقتیں علٰحدہ اپنے قدم جما رہی تھیں، ایسی حالت میں جب کہ تیموری سلاطین خود نان شبینہ کے محتاج ہونے کو تھے، علم وفضل کی سرپرستی کہاں سے کر سکتے تھے۔

عالمگیر[4] ثانی کے الم ناک قتل کے بعد شاہ عالم بادشاہ ہوا، تو پہلے وہ انگریزوں کا وظیفہ

---

[1] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان ندوی کا مضمون ہذا نیز دیکھو فہرست مشرقی کتب خانہ، پٹنہ، جلد یازدہم ص ۲۹

[2] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون ہذا۔

[3] اشرف علی افغان احمد شاہ کے کوکہ تھے، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں یکتائے زمانہ تھے، اس لئے احمد شاہ نے ان کو ظریف الملک کوکہ خان بہادر کا خطاب دیا تھا۔ (گلشن ہند از مرزا علی لطف ص ۱۸۴)

[4] کہا جاتا ہے کہ عالمگیر ثانی نظام الدین اولیاء کے مزار مقدس پر پہونچ کر اپنی بادشاہت کے لیے دعا لیا کرتا تھا، جب تخت کا مالک بنا، تو منقبت میں یہ اشعار کہے (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com
Marfat.com

خوار رہا، پھر مرہٹوں کے ہاتھ لال قلعہ کے اندر ایک معزز قیدی بنا اور اس کے بعد غلام قادر کی سفاکیوں سے تیموری سلطنت کے فرماں روا کا جو انجام ہوا، وہ اربابِ بصیرت کے لیے عبرت کا مقام ہے، اسی قلعہ معلّٰی کے اندر جس کے مکینوں کی غضب آلود نگاہوں سے ہزاروں سرکش کانپ اُٹھتے تھے، خود ان کی ایک اولاد ایک ظالم سرکش کے پنجوں میں گرفتار تھی، اسی پرجلال دربار کا ایک اورنگ نشیں جس کے اسلاف کی صولت و دبدبہ کے سامنے بڑے بڑے اربابِ ثروت وحشمت سرعجز و نیاز جھکاتے تھے، ایک ستم ایجاد اور بے درد باغی کے سامنے سرتسلیم خم کیے ہوئے تھا، جن کی ہیبت کے سامنے اربابِ دانش پلک مارنا بھی سوے ادب سمجھتے تھے، ان کا ایک فرزند سر دربار بے حس وحرکت پڑا ہوا تھا اور اس کے سینہ پر ایک شقی القلب روہیلہ سوار تھا، مال و دولت کی تلاش میں حرم کی دیواریں کھودی جارہی تھیں، نازنینانِ حرم کے پھول سے رخسار طمانچوں سے سرخ کیے جارہے تھے، شہزادیوں کے دیدۂ تر سے خون کی نہریں رواں تھیں، آہ وبکا کے شور سے قلعہ معلّٰی کے درودیوار گونج رہے تھے، عین اسی حالت میں ایک ظالم ''جفاجو'' اور ''کینہ پرور'' روہیلہ نے:

نکالی شاہ تیموری کی آنکھیں نوک خنجر سے

(اقبال)

شاہ عالم کو موت نہیں آئی، وہ پھر بادشاہ بنایا گیا، لیکن وہ بادشاہ نہ تھا، دنیا کے لیے عبرت کا درس تھا، اس نے اپنی بے کسی کا ماتم خود کیا ہے۔

چہ حادثہ برخاست پئے خواری ما — داد برباد سرو برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودم — برودر شامِ زوال آہ سیہ کاری ما
چشم من کندہ شداز جور فلک بہتر شد — کہ نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۳۳۵)

جو ہووے خادم نظام الدین کا دل سین اے غریب — اس کے تئیں ہوتا ہے تاج خسروی جگ میں نصیب
خادمی کی تھی عزیز الدیں نے باصدق و یقین — تاج شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنقریب
مرض دل افگار کا میرے وہ صحت بخش ہے — بے غذا و بے دعا و بے دوا او بے طبیب
بس پریشاں حال ہے اب خلق میں محبوب حق — فضل کر؟ داروں پر، ہو تم حق کے حبیب

Marfat.com
Marfat.com

دادافغان بچہ شوکت شاہی برباد — کیست جز ذات خدائے کہ کندیاری ما
کردہ بودیم گناہے کہ سزایش این بود — چیست امید کہ بخشد گنہ گاری ما
کردہ سی سال نظارت کہ مراد ادبرباد — زود تریافت تلافی ستمگاری ما
نازنینان پری چہرہ کہ ہم بزم بودند — کیست جز محل مبارك بہ پرستاری ما
حق طفلاں کہ زسی سال فراہم کردند — کردہ تاراج نمود ند سبکساری ما
عہد و پیمان عیان دادہ نمودند غا — محلیان خوب نمودند وفاداری ما
شیر دادیم بہ افعی بچہ پروردیم — عاقبت گشت بجور پے خونخواری ما
قوم افغان و مغلیہ ہمہ بازی دادند — بسکہ گشتند مجوز گرفتاری ما
این گداز اداہ ہمدان کہ بہ دوزخ برود — بانی جوروستم شد بہ دل افگاری ما
گل محمد کہ زمرواں بہ شرارت کم نیست — چہ قدر کردو کالت پئے آزادی ما
نامراد و سلیمان و بدل بیگ لعین — ہرسہ بستند کہ رہبر گرفتاری ما
شاہ تیمور کہ وارو سر نسبت باـن — زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما
مادھوجی سیندھیا فرزند جگربندمن ہست — ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند — چہ عجب گربہ نمایند مددگاری ما
راجۂ وراؤ زمیندار امیر و چہ فقیر — حیف باشد کہ نہ سازند بہ غم خواری ما
نازنینان پری چہرہ کہ ہمدم بودند — نیست جز محل مبارك بہ پرستاری ما

گرچہ ما[1] از فلك امروز حوادث دیدیم
بار فرداد ہد ایزد سرداری ما

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ شاہ عالم سخن گوئی میں کافی مہارت رکھتا تھا، اس کا تخلص آفتاب تھا، فارسی اور ہندوستانی دونوں زبان میں اشعار موزوں کیا کرتا تھا، محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ وہ بڑا مشاق شاعر تھا، جس کے چار دیوان اردو میں موجود ہیں[2]۔ لیکن انڈیا آفس کتب خانہ میں ایک ہی جلد ہے[3]، برٹش میوزیم، بوڈلین[4] اور اسپرنگر[5] کی فہرست میں بھی ایک ہی کا

ایک دوسرے نسخے میں نامراد کے بجائے الہ یار لکھا ہے۔

۱ ایک دوسرے نسخہ میں گرچہ ما کے بجائے آفتاب ہے۔ ۲ آب حیات ص ۲۴۷

۳ ملاحظہ ہو انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ جلد ص ۹۳۷ ۴ ایضاً ص ۲۴۷ ۵ ایضاً ص ۳۶۸

Marfat.com
Marfat.com

ذکر ہے۔ انڈیا آفس لائبریری کے دیوان میں شاہ موصوف کی ایک مثنوی موسوم بہ ''منظوم اقدس'' بھی شامل ہے، جس میں شاہ چین مظفر شاہ کا قصہ ہے۔ مولوی ذکاء اللہ کا بیان ہے کہ ''شاہ عالم نے نثر میں چار جلدوں میں ایک قصہ بھی لکھا ہے، جس سے ہر زمانہ کے ادنیٰ، متوسط اور اعلیٰ آدمیوں کا طرزِ معاشرت معلوم ہوتا ہے، اس کا نام شاہ عالم کا قصہ ہے۔[1]

شاہ عالم نے اپنے عہد کے تمام ممتاز شعراء مثلاً، سودا، میر، درد، نصیر، انشاء، زار، ممنون، احسان، قاسم اور فراق سے کچھ نہ کچھ ضرور واسطہ رکھا، جہاں دہلی کے تمام شعراء جمع ہو کر اپنی جولانی طبع دکھاتے تھے[2]، وہاں شاہ عالم اپنی غزلیں بھیجتا تھا، سودا کو اپنا کلام دکھاتا تھا [2]۔ خواجہ میر درد کے یہاں محفلِ سماع میں شرکت کرنے کے لئے کئی بار گیا، ایک بار پانوں میں درد تھا، ضبط نہ کر سکا، ذرا پاؤں پھیلا دیا، خواجہ صاحب اس کے متحمل نہ ہو سکے، فرمایا کہ یہ امر فقیر کی آدابِ محفل کے خلاف ہے، شاہ عالم نے عذر کیا اور معافی چاہی، خواجہ صاحب نے فرمایا، اگر طبیعت ناساز تھی، تو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی[3]۔ سید انشاء اللہ خان انشاء کو خاص طور سے بہت محبوب رکھتا تھا، ان کی ایک لمحہ کی جدائی اس کو گوارا نہ ہوتی تھی[4]، مگر عبرت کا مقام یہ ہے کہ جس کو اسلاف ایک ایک شعر کے صلہ میں شعراء کا منہ زر و جواہر سے بھرتے تھے اور ان کو سونے چاندی میں تلواتے تھے، آج ان کے وارث کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے محبوب شاعر کے بچوں کے لیے دو دو کھجوریں لے جانے کے لیے کچھ رقم دیتا۔[5]

شاہ عالم کی اردو شاعری کے نمونے ملاحظہ ہوں:

کیجئے ہمدم بھلا کیوں کر نہ شکوہ یار کا — ہم تو بندے اس کے ہوں وہ یار ہو اغیار کا
خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اس نے آہ — ہو جیو یارب بھلا اس چشم آتشبار کا
صاف کل آنکھیں تری کہتی تھیں عاشق سے پکار — کر سکے عیسیٰ مداوا اپنے کب بیمار کا
خون ہوویگا گلوں کو دیکھنا ہر گز صبا — نام مت لینا چمن میں اس بتِ خونخوار کا
کب ترے عشاق بیٹھیں حشر میں طوبیٰ تلے — یاد آوے دل میں جب سایہ تری دیوار کا
دیکھ کر کل نبض میری یوں لگا کہنے طبیب — کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا

---

[1] آبِ حیات، ص ۳۴۲ [2] گلِ رعنا، ص ۱۳۳ [3] ایضاً، ص ۱۷۱
[4] آبِ حیات، ص ۳۴۱ [5] ایضاً ۲۴۶

Marfat.com
Marfat.com

صرف کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ ڈھونڈھ جا کر ہر طرف نقشِ قدم دلدار کا

اس قدر افسردہ دل کیوں ان دنوں ہے آفتاب
دیکھ کر ہوتا ہے تجھ کو تنگ دل گلزار کا

....

صبح تو جام سے گزرتی ہے شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گزرتی ہے

ولہ

تصور ترا جس کو اے یار ہوگا اوسے غیر سے کیا سروکار ہوگا
مرالختِ دل اشک میں ڈھونڈنا اسی قافلہ میں وہ سالار ہوگا
دیا دل تو ہے آفتاب اوسکو لیکن خدا جانے کیا عاقبت کار ہوگا

ولہ

چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو بات میں تم خفا ہوگئے اور سنو

ولہ

آئے جو خواب میں وہ بھی یوسف لقا تو پھر اے آفتاب دولت دیدار سمجھئے

....

جوں شمع تا سحر شب فرقت میں آفتاب بے اختیار مجھ کو رولاتی ہے چاندنی

....

ترقی اس مانگ سے کیا معنی دلخواہ ہے پیدا شب معراج کی اس خط سے گویا راہ ہے پیدا

....

مدت سے اشتیاق ہے پیارے جو آیئے بھلا رواق چشم میں یہ یں دکھائیے ا

ل یہ اشعار تذکرۂ گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد) تذکرہ ہندی مصنفہ مصحفی اور گلشن بے خار سے لیے گئے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر تیموری سلاطین کا خاتم ہے، وہ بادشاہ بنا، لیکن حکم رانی کے لیے نہیں، بلکہ اپنے اسلاف کی سطوت وعظمت کی یاد میں خون کے آنسو بہانے کے لیے، سلطنت ایک بیرونی قوم کے قبضہ میں جا چکی تھی، سکّوں پر سے آل تیمور کا نام مٹ چکا تھا؛ بادشاہ محض ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہ گیا تھا اور پھر بھی بادشاہ کہلاتا تھا، اس کی ساری بادشاہی قلعہ معلّٰی کی چہار دیواری تک محدود تھی، جہاں وہ نہ امورِ سلطنت کے لیے فرامین صادر کرتا اور نہ اعیانِ حکومت کی مجلسیں منعقد کرتا، بلکہ صرف دل کے پھپھولے توڑتا اور جب وہ پھوٹ کر بہ جاتے، تو اس کے سوز وگداز کا اظہار اپنے نالہاے موزوں سے کیا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کی آپ بیتی کو پڑھ کر دل پر جو اثر ہوتا ہے۔ وہ اور شعراء کی جگ بیتی سے نہیں ہوتا، خود کہتا ہے:

اے ظفر یہ تیرے اشعار ہیں یا نالۂ زار
کیا بلا ہیں کہ جو یوں دل میں اثر کرتے ہیں

ظفر تاج وتخت کا نہ سہی، لیکن اقلیمِ سخن کا بادشاہ تھا، جہاں اس نے اپنی طبیعت کی ذہانت، ذکاوت اور بے قراری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ اگر وہ انھی اوصاف کو سیاسی کام میں لاتا تو کیا عجب تھا کہ وہ اپنی ظفریاب فوجوں کے ساتھ اغیار کے شہروں اور ملکوں پر اپنی فتح وکامرانی کا پرچم لہراتا نظر آتا اور ایک کامیاب مدبر اور سیاست دان بھی ثابت ہوتا، لیکن نہ اب رزم کی معرکہ آرائیاں تھیں اور نہ بزم کی نکتہ آفرینیاں، لامحالہ ایک بے چین اور بے قرار ذہن کی تمام قوتیں ایک ہی طرف منتقل ہوگئیں اور وہ شعروشاعری کا میدان تھا۔

ظفر کا دور ہندوستانی شاعری کا دورِ شباب تھا، نصیر، ذوق، ممنون، مومن، غالب، تسکین اور شیفتہ کی شاعری نے ریختہ گوئی کی زمین کو آسمان پر پہونچا دیا تھا، ان ہی اساتذہ کے ساتھ ظفر نے

Marfat.com
Marfat.com

بھی طبع آزمائی کی اور نمایاں حیثیت حاصل کی۔ نصیر نے ریختہ گوئی میں مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی، ذوق نے غزل کو زبان اور محاورات سے آراستہ کیا، مومن اپنی نازک خیالی اور شوخی ادا کے لیے ممتاز رہے، غالب کے طرزِ بیان، مسائل تصوف اور نکاتِ فلسفہ نے شاعری کو عرشِ معلیٰ پر پہونچا دیا، مگر اس گروہ میں ظفر کی شاعری میں جو سلاست، صفائی اور روزمرہ کی سادگی پائی جاتی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔

طرزِ سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے — اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا
ظفر کلام میں تیرے عجب صفائی ہے — کہ ہر سخن ترا دُر خوش آب سا چمکا
خدا نے وہ روانی دی ظفر تیری طبیعت کو — ترا ہر شعر تر ہر بحر میں بحرالمعانی ہے

ظفر شاعری سے مناسبتِ ازلی رکھتا تھا، ایامِ شاہزادگی سے زندگی کے اخیر دنوں تک شعر وسخن کی مشق کرتا رہا، دلی عہدی کے دنوں میں دلی کے تمام باکمال شعراء[1] اس کے درِ دولت پر حاضر ہوتے اور وہ اپنا کلام سناتا اور ان سے ان کے نتائجِ فکر سنتا، سریر آرائے حکومت ہوا، تو قلعہ معلیٰ کے اندر بزمِ مشاعرہ منعقد کراتا، کبھی کبھی شہر میں جا کر مشاعروں میں شریک ہوتا، اپنی غزلیں پڑھتا، دوسروں کی سنتا، داد لیتا تھا، یہاں تک کہ اساتذۂ فن میں شمار کیا جانے لگا، چناں چہ تمام اربابِ نظر نے اس کی سخن سنجی اور نکتہ آفرینی کی دل کھول کر داد دی ہے۔[2]

---

[1] مثلاً حکیم ثناء اللہ قراق، حافظ عبدالرحمٰن خان احسان، حکیم قدرت اللہ خان قاسم، میر قمرالدین منت نظام الدین، ممنون۔

[2] نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جو ظفر کے ہمعصر تھے اور اس کی صحبت میں شریک بھی ہوئے تھے، لکھتے ہیں۔

"به اکثر صفات موصوف و محامد مکارم معروف، در اکثر خطوط دستگاهے شایسته دارد ..... با این فن (یعنی شاعری) بسیار مالوف است، شیخ ابراهیم ذوق از مانده نعمتش زله رباد وظیفه خوار است و افکار ایشان بحک و اصلاح آورده است و هموار."

منشی احمد حسین سحر تذکرۂ بہار بے خزاں (۱۲۶۱ھ) میں ظفر کے متعلق لکھتے ہیں:

"ظفر تخلص مرزا ابو ظفر بادشاه دهلی بفن شعر میلے و مناسبتے تمام وارد، ابراهیم ذوق از مخصوصان حضرت اوست و افکار ایشان با صلاح او چون گوهر آبدارند."

تذکرۂ بزمِ سخن میں ظفر کے بارے میں ہے:

"درسخن پایه ارجمند داشت، گفتارش اگرچه ساده پر کار است همه اش خاطر شکاراست محاوره گوئی ازان اوست و معامله نویسی زیر فرمان او."

Marfat.com
Marfat.com

ظفر شاعری میں پہلے تو نصیر، پھر بے قرار، پھر ذوق اور آخر میں غالب کا شاگرد ہوا، مگر اس کی ذہین اور مجتہدانہ طبیعت نے کسی ایک کی بھی خالصتہً تقلید و پیروی نہیں کی، طبیعت میں خاکساری تھی، اس لیے اساتذۂ فن کی شاگردی قبول کر لیتا تھا، مگر اساتذہ اپنے لائق شاگرد کو اپنے خیالات اور جذبات سے متاثر نہ کر سکے، وہ شاید صرف فن کے اغلاط اور اسقام کو درست کر دیتے تھے، ورنہ اگر ظفر اپنی راہ چھوڑ کر اپنے استادوں کی راہ پر گامزن ہوتا، تو اس کے سارے کلام میں اول تو نصیر کی مضمون آفرینی اور شکوہِ الفاظ کے ساتھ نئی نئی تشبیہیں اور استعارے پائے جاتے یا پھر ذوق کی طرح عام زبان کی کہاوتیں اور عام لوگوں کے اوہام و مزعومات کی کثرت ہوتی یا آخر میں غالب کے فلسفہ اور تصوف کی نکتہ آرائیاں اور فارسی کی پرشوکت ترکیبیں ہوتیں، مگر ان میں

(بقیہ حاشیہ) منشی کریم الدین صاحب رقم طراز ہیں:

''شعرا ایسا کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ان کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا، ابراہیم ذوق سے اصلاح لیتے ہیں، تیرہ چودہ برس کا عرصہ ہوا کہ تخت نشین ہوئے، ابتداء میں ولی عہد تھے، ان ایام میں بھی ان کے شعر بہت اچھے ہوتے تھے، تمام ہندوستان میں اکثر قوال..... ان کی غزلیں اور گیت اور ٹھمریاں گاتے ہیں، ہر ایک قسم کے شعر ہیں۔''

ظفر کی بابت مولوی امام بخش صہبائی کی دل چسپ عبارت ملاحظہ ہو:

''گوہر سخن اس کے لب سے ہم پایہ اعجاز اور مضمون نیاز اس کے اشعار میں ہم پہلوے ناز شاہدان محفل قدس ہر راہ سے اس کے جادۂ قلم میں عنان افگن ہیں اور نازنینان ملک تقدس ہر طرف سے اسی کے میدان صفحہ میں گامزن ہیں، اس کے قلم کی صریر ہے یا خوش خرامان معنی کی آواز یا اوس کے الفاظ سے فروغ معنی جلوہ گر ہے یا مینا سے پری نقاب کشا..... اشعار متصوفانہ میں دیدۂ مینا اور ابیاتِ عاشقانہ میں چشم گریہ زا اور بین السطور بہاریہ میں خیابان اور فلکیات میں کہکشاں نفس شگفتگی الفاظ سے نسیم چمن اور نگاہ تازگی رقم سے ریشۂ یاسمن مصرع قامتِ شمشاد بیت ابروئے خوبان خلخ و نوشاد''

عبدالغفور نساخ اپنے سخن شعراء (۱۲۹۱ھ) میں لکھتے ہیں:

''اکثر خطوط کو اچھی طرح سے لکھتے تھے، شعر نہایت شیریں و نمکین کہتے تھے''

موجودہ دور کے ادباء میں خواجہ الطاف حسین حالی تحریر فرماتے ہیں کہ ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی میں اول سے آخر تک یکساں ہے۔

محمد حسین آزاد نے باوجودیکہ اپنے استاد کی محبت اور عصبیت میں ظفر کے تمام کلام کو ذوق کی طرف منسوب کر دیا ہے، پھر بھی وہ اس کو شعر و شاعری میں طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ بتاتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

سے کسی کے رنگ کی اثر پذیری اس کے کلام میں نہیں، وہ اپنے ہی رنگ اور طرزِ ادا کا مالک رہا، بات یہ تھی کہ طبیعت میں شاعری کا مادہ بھرا تھا، پھر زندگی کچھ ایسی گذری کہ شاعر نہ بھی ہوتا تو انقلاباتِ زمانہ اور حوادثِ روزگار سے خواہ مخواہ شاعر ہو جاتا، اسلاف کی عظیم الشان حکومت ہاتھ سے گئی، عزت و وقار کا خاتمہ ہوا، غدر ہوا تو نان شبینہ کو محتاج ہو گیا، در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرا، لخت ہائے جگر کو خون میں تڑپتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آخر میں خود ایک مجرم کی حیثیت سے محبوس و مقید ہو کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی، شاعر بننے کے لیے اور کیا چاہیے تھا اور شعراء نے بلبل کے نالۂ و فریاد سے اپنی شاعری میں سوز و گداز پیدا کیا۔ ظفر نے اپنی ہی آہ بکا سے اپنی شاعری میں درد اور درد میں تڑپ پیدا کی اور شعراء نے عاشقانِ زبوں حال کے طوق و سلاسل کی ہولناک تصویریں کھینچ کر عبرت کا پیام دیا، ظفر کی اپنی ہی زندگی قید اور زنجیر کی داستان رہی، اس لیے اس کی ہر صدا صحیح معنوں میں دنیا کی نیرنگیوں کی آواز بازگشت ہو گئی اور شعراء نے ایک خیالی چمن کی بربادی اور اس کے پھولوں کی پامالی پر دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا رونا رویا۔ ظفر نے اپنی سلطنت کے چمنستان کو اجڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس کے خیالات میں محشرستان پیدا نہ ہوتا، تو آخر کس میں ہوتا؟ اپنی شاعری میں خونِ جگر خوب خوب بہایا، اس کی تمام شاعری مغلیہ سلطنت کی تباہی اور بربادی کا ایک مرقع ہو سکتی ہے، یہ شاید قدرت کی طرف سے انتظام تھا کہ تیموری حکومت کا آخری فرمان روا ایسا ہو، جو صحیح طور پر اپنے کمال کے زوال کا خونچکاں ماتم کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ ظفر کی شاعری حزن و ملال، رنج و الم اور یاس و حسرت کی سراپا داستان ہے، دیوان میں بعض غزلیں ایسی ضرور ہیں، جن میں رنگینیوں اور سرمستیوں کی جھلک ہے، بعض تو متانت اور سنجیدگی سے بھی گری ہوئی ہیں، مگر یہ شاید غایت رنج و مصیبت اور شدت غم و الم کا ردِ عمل ہے۔ ظفر کی اندوہناک زندگی میں کوئی ایسی صورت باقی نہیں رہی تھی کہ دو چار گھنٹے بیٹھ کر غم غلط کر لیتا، گذشتہ روایات کے مطابق شکار کی تفریحیں اور نہ عیش و نشاط کی محفلیں تھیں اور نہ قلعہ معلی کے اندر مسرت و شادمانی کی مجلسیں تھیں، لامحالہ شدت غم سے چھٹکارا پانے کے لیے ظفر شاعری ہی میں رند بلانوش اور غافل از حزن و ہوش ہو جاتا، ورنہ اور کوئی وجہ نہ تھی، کیوں کہ مصیبت و نکبت کی

Marfat.com
Marfat.com

وجہ سے فقر و درویشی نے مزاج پر ایسا استیلا پالیا تھا کہ وہ نہ صرف برابر اذکار و وظائف میں مشغول رہتا، بلکہ آل تیمور کی لفظی و سیاسی پیری و مریدی ظفر کے ہاں حقیقت بن گئی تھی جس کا ذکر آیندہ صفحات میں ملے گا۔

ظفر کا دیوان نولکشور پریس لکھنو سے چار جلدوں میں شائع ہوا ہے جس میں ہر قسم کے تیس ہزار سے زیادہ اشعار مثلاً حمد، نعت، سلام، مرثیہ، مسدس، مثلث، مخمس، مستزاد، قطعات، رباعیات، پنکھا اور سہرا ہیں، بھاکا، پنجابی اور فارسی کے بھی اشعار ملیں گے، جن سے ظفر کی طباعی اور مختلف زبانوں پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، اس مجموعہ میں وہ حصہ شامل نہیں جو ظفر نے غدر کے بعد کہا، اس زمانہ کا کلام شائع نہ ہوسکا، بلکہ ضائع ہوگیا، حالاں کہ اس عہد کی شاعری میں نہ صرف پختگی بلکہ جذبات میں اور بھی درد اور شدت پیدا ہوگئی ہوگی۔

کلامِ ظفر:

دیوان، حمد کے بجائے ایک نعتیہ قصیدہ سے شروع ہوتا ہے، ملاحظہ ہو:

اے سرور دو کون شہنشاہِ ذو الکرام — سرخیل مرسلین و شفاعت گرِ امم
موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق — مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم
رنگِ ظہور سے رے گلشن رخِ حدوث — نورِ وجود سے ترے روشن دلِ قدم
ہوتا کبھی نہ قالبِ آدم میں نفخ روح — بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم
کرتا تھا، جس سے مردہ کو زندہ دمِ مسیح — تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علوشیم
ٹوٹا جو کفر قوتِ اسلام سے تری — صد جاے سے شکستہ ہے زنار موجِ یم
تو تھا سریر اوجِ رسالت پر جلوہ گر — آدم نہان ہنوز پسِ پردۂ عدم
کرتا ہے تیرے اسمِ مبارک کو دل پہ نقش — اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا درم
اے معدنِ کرم تری ہمت کے روبرو — کم تر ہے سنگِ ریزہ سے قدرِ رنگین جسم
جو کچھ سواے عرش وہ سب اس کے سایہ میں — تیرے ہوا ہے جاہ کا برپا جہان علم

Marfat.com
Marfat.com

صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں   رکھتا سرِ زمین نہ اگر اپنا تو قدم
محروم تیرے دستِ مبارک سے رہ گیا   کیوں کر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم
عالم کو تیرا نور ہوا باعثِ ظہور   آدم ترے ظہور سے ہے مظہر اتم
ہیں زائرانِ روضۂ اقدس ترے جہاں   آتا ہے پائے بوس کو واں روضہ ارم
واللیل تیرے گیسوے مشکیں کی ہے ثنا   والشمس ہے ترے رخ پر نور کی قسم
انصاف تیرا دیوے جو دادِ ستم کشاں   دندان سین آرہ کشاں ہو سر ستم
قرآن میں جب کہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا   کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کر سکے رقم
تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض   صدقے میں اپنی آل کے اے شاہ محتشم
صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر   آئینۂ ضمیر سے میرے غبارِ غم
پہونچا نہ آستانِ مقدس کو تیرے میں   اس غم سے مثل چشمہ ہوئی میری چشم نم

پر خاک آستاں کو تری اپنی چشم میں
کرتا ہوں سرمہ میل تصور سے دم بدم

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ نعت کہنا کتنا مشکل ہے، بقول عرفی مع "رہ بردم تیغ است قدم را" لیکن ظفر کے ہم عصر شعراء میں اتنا مؤثر نعتیہ قصیدہ کسی نے نہیں کہا، وہ کچھ اور نہ بھی کہتا تو صرف یہی قصیدہ اس کے اعجاز شاعری کے لیے دلیل و برہان تھا، دیوان کا دوسرا تیسرا اور چوتھا حصہ حمد سے شروع ہوتا ہے، جس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

شاباش والا ار شدک اللہ تعالیٰ   پہچانا اسے تو نے جسے دیکھا نہ بھالا
اللہ ری تری جنبش مژگانِ ستم کیش   اک پل میں کیے تو نے دو عالم تہ و بالا

....

ادا پورا نہ ہو یک حرف اصلا حمد یزداں کا   اگرچہ صد زباں ہو ہر زباں خامہ سخن داں کا
اگر ہو جائے پارہ پارہ دل اس کی محبت میں   تو پھر ہر پارۂ دل کو سمجھ سی پارہ قرآں کا
جسے خیال ہے کچھ رحمتِ الٰہی کا   گناہ سمجھے ہے دعویٰ وہ بیگناہی کا

Marfat.com
Marfat.com

یہ لطف دیکھ کر خود بے نیاز ہے لیکن دھیان ہے اُسے بندوں کی خیر خواہی کا
تم اپنے جی میں عزیز اور ذلیل ٹھہرالو خدا ہے ایک مہ و مہر و مرغ و ماہی کا

ظفر کو اپنے حمد و نعت پر بہت زیادہ فخر تھا، چناں چہ کہتا ہے۔

ظفر مضمون حمد و نعت کے گلہائے رنگیں سے ورق میرے سرِ دیواں کا ہے اک باغ رضواں کا

ظفر کی المیہ شاعری:

اوپر کی سطروں میں کہا گیا ہے کہ ظفر کی تمام شاعری الم و یاس اور اندوہ و غم سے بھری ہوئی ہے، بعض غزلیں تو پوری کی پوری الم ناک جذبات سے لبریز ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی مٹی ہوئی شوکت اور گذری ہوئی حشمت پر بے اختیار ہو کر روتا ہے اور آنسو بہا بہا کر کہتا ہے۔

بلا سے گرچہ ہوتا رازِ دل افشا ہے رونے میں نہ روکو مجھ کو رونے سے مزا آتا ہے رونے میں
پڑا ہے کشتی افلاک کا رونا زمانے میں مری آنکھوں نے وہ طوفاں کیا برپا ہے رونے میں
مری دیوانگی کا اے پری رو ہے عجب عالم کبھی رونے میں ہنستا ہے کبھی ہنستا ہے رونے میں
سنا ہے نوح کے طوفاں کو یا رو میں نے کانوں سے مگر آنکھوں سے اپنی ہم نے وہ دیکھا ہے رونے میں
لگے آگ ایسے رونے کو کہ مثل شمع گھل گھل کر بہا جاتا مرا دل سوز سرتاپا ہے رونے میں

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے
رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

پھر بھی روتا جاتا ہے اور اس رونے میں اتنی شدت ہے کہ اس کو خود اس احساس ہے، کہ:

لگ جائے جھڑی برسوں پھر اپنے جھڑیں آنسو جھاڑوں جو دم گریہ میں دامنِ مژگاں کو

اور جب رو کر چپ ہو جاتا ہے، تو اپنے ٹوٹے ہوئے دل سے آہ سوزاں بلند کرتا ہے۔

شعلہ جو سوز دل سے گلوگیر آہ ہو پیکاں نمط عیاں وہ سر تیر آہ ہو
سیل سرشکِ چشم بھی ہمراہ ہو اگر جوں سرد آبجو یہاں تو قیر آہ ہو

Marfat.com
Marfat.com

دکھلائے جو سوزشِ دل کو تو برق بھی حیراں دیکھ عالم تنویر آہ ہو
کلک جلی تو شمع جگر سے بنا مانی جو کھینچے تو مری تصویر آہ ہو
نالاں ہیں ایک عمر سے ہم اس لیے ظفر کب اس کے دل میں دیکھئے تاثیر آہ ہو

اور جب آہ کھینچنے سے بھی اس کو تشفی نہیں ہوتی، تو چیزیں مارتا ہے، اس طرح جیسے کوئی نشترِ غم اس کے تمام جسم میں چبھو رہا ہو۔

کیا رنگ دکھاتی ہے یہ چشم ترا ہو ہو خونِ جگر آہا ہا لخت جگرا ہو ہو
اس ہستی یک دم پر اف بل بے تری گرمی ہنستا ہے شرارت سے کیا کیا شررا ہو ہو
اک وار میں دو ٹکڑے کرتی ہے مرے دل کے کیا تیز ہے قاتل کی تیغ نظرا ہو ہو
چھڑکے ہے نمک قاتل لے لے کے نمکداں سے لیتے ہیں مزے کیا کیا زخم جگرا ہو ہو
ہستی کی عدم سے مر مر کے پہونچتے ہیں اک کی دم مسافت پر اتنا سفرا ہو ہو

اس پر بھی اس کو تسکین نہیں ہوتی ہے، تو اپنی حالت اس طرح بیان کرتا ہے، کہ:

سینہ میں اک دھواں کئی بار اٹھ کے رہ گیا نکلا نہ میرے دل کا بخار اٹھ کے رہ گیا
آیا نہ میرے دیدۂ گریاں کے سامنے سو بار دیکھا ابر بہار اوٹھ کے رہ گیا
دیتا جلا فلک کو مگر خیر ہو گئی ساتھ آہ کے جو دل سے شرر اٹھ کے رہ گیا

آتشِ غم سے اس کا دل جل کر داغ دار ہو گیا تھا، وہ بھی ایسا کہ خود کہتا ہے:

ذرہ جو دکھاتا ہوں داغ دلِ سوزاں کو چڑھتی ہے تپ لرزہ خورشید درخشاں کو

وہ اپنی مصیبتوں اور صعوبتوں سے گھبرا جاتا ہے اور ظالم چرخ سے شکایت کرتا ہے کہ:

سدا گردش میں ہم ہوں اور نہ اکدم دور ساغر ہو یہ کیا انصاف ہے اے چرخ گرداں یہ نہ ہو وہ ہو

مگر پھر اپنے کو یہ کہہ کر تسلی دیتا ہے کہ:

ہو زیر فلک راحت کس طرح ظفر ہم کو آرام نہیں آپ ہی اس گنبد گرداں کو

یہ تو ظفر کی وارداتِ زندگی کا نالہ وشیون تھا، جن کے تاثرات کی گہرائی کو ظفر نے خود بیان کیا ہے کہ:

Marfat.com
Marfat.com

ہمسر اہوں میرے نالہ سے کیا نالہائے نے　　اس میں ظفر یہ سوز کہاں اور کہاں گداز

اب یہی سوز وگداز اس کی شاعری کے ہر پہلو میں نظر آتا ہے، جب وہ ایک شاعر بن کر عشق کی تمام واردات یعنی محبوب کی کج ادائیاں ،ستم آرائیاں اور بے اعتنائیاں بیان کرتا ہے تو طالب محبوب کی محویت، شگفتگی اور ہجوم آرزو میں صرف سوز وگداز ہی کی نیرنگیاں دیکھنا چاہتا ہے، اس کا معشوق عام معشوقوں کی طرح ظالم پرفریب، حیلہ ساز اور دل آزار ضرور ہے، لیکن اس کے عاشق کے عشق میں ہوس ناکی نہیں وارفتگی ہے، وصال کی لطف اندوزی نہیں، ہجر کی غم انگیزی ہے اور حسن کی رسوائی نہیں، بلکہ عشق کی پسپائی ہے۔

اس کا عاشق عشق کے میدان میں اس طرح آتا ہے کہ:

جو آگے عشق کے میدان میں بڑھائے پاؤں　　تو شرط یہ ہے کہ پیچھے نہ پھر اٹھائے پاؤں

اور جب وہ سر بکف ہو کر اس میدان میں آجاتا ہے تو پھر وہ ہے، اور ہر قسم کی مصیبتوں کی ہلاکت خیزی، وہ ہے اور عشق کی آتش افروزی۔

ہوتی ہے بری عشق کی آتش یہی ڈر ہے　　گھر پھونک نہ دے آتشِ سوزاں کسی کا

.....

خانہ دل کو لگی ہے آگ سوز عشق سے　　ہر بُنِ مو سے نکلتے ہیں شرارے بے طرح

مگر باایں ہمہ وہ عاشق سے ضبط، تحمل، سرفروشی، بلکہ صرف تڑپ چاہتا ہے اور وہ بھی ایسی:

کہ جل کے خاک ہو دل اور خبر کسی کو نہ ہو

وہ تو عشق میں رونے کا بھی قائل نہیں

رو رو کے میرا راز نہاں فاش کر دیا　　خانہ خراب ہو جیو چشم پُر آب کا

لیکن جب ہجر میں بے تاب ہو کر روتا ہے، تو پھر یوں کہ:

نہیں اے ابر ہم قائل کہ آنسو سر بسر ٹپکے　　وہ کیا آنسو ہے جو بے آمیزش خونِ جگر ٹپکے

ہر اک آنسو کا قطرہ ہے جو دانا کہربا کا سا　　دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

مگر حقیقت میں وہ چشم گریاں کا نہیں، بلکہ دل بریاں کا قائل ہے، دل جل جائے، مگر

Marfat.com
Marfat.com

شرط یہ ہے کہ خاکستر نہ ہونے پائے، بلکہ اس میں صرف سوزش ہو اور اس طرح کہ:

دکھلائیں سوزش دل بے تاب ہم اگر　　کانپ اٹھے شعلہ شوق سے نار جحیم کا

اور اس سوزش میں اتنی ٹیس ہو کہ:

دونوں گداز عشق سے بہ جائیں ہو کے اب　　آہیں جو دل کے پاس ہو پتھر جگر کے پاس

اور پھر اس کے دل میں کچھ باقی نہ رہ جائے:

دل میں تو کچھ نہیں ہے، دم دو دوائے ظفر　　اک آہ رہ گئی ہے فقط اک جگر کے پاس

ظفر کے عشق کا فلسفہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کا عشق تو اس کا مقتضی ہے کہ عاشق اس سوزش سے مضطرب، بے قرار اور بے چین ہونے کے بجائے لطف اندوز ہو، عشق کی آگ سے دل پر داغ پڑ جائیں، مگر:

خانۂ دل میں رہے، روشنی داغِ عشق　　بجھنے نہ پائے مرا یہ کبھی یارب چراغ

اور گو جگر میں زخم پڑ جائیں لیکن:

پھاہا نہ زخم دل سے اٹھا میرے چارہ گر　　رہنے دے اس کو تو خم پر جوش سے ڈھنکا

کیوں کہ

سب پہ کھل جائے گا میرے دلِ مجروح کا حال　　دل کے زخموں سے ذرا بھی جو یہ سر کے پھائے

ظفر کے یہاں ایک کامیاب عشق کے مدارج یہاں پر بھی ختم نہیں ہونے پاتے، اصلی سوزِ عشق تو یہ ہے کہ:

دفن ہو ویگا ترا کوئی جہاں سوختہ جان　　سبزہ واں خاک سے پیدا کبھی ہونے کا نہیں

بلکہ

اف ترے کشتہ کا سوزِ دل کہ ظالم سنگ بھی　　گور پر اس کے رہا محشر تلک جلتا ہوا

اور

رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزاں کی　　ہماری قبر پر حاجت نہیں ہے شمع گریاں کی

ظفر کی اخلاقی شاعری:

گذشتہ صفحات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ظفر کی طبیعت پر حزن و ملال کسی قدر غالب ہے،

Marfat.com
Marfat.com

تلخیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کے ہجوم میں اس کی زندگی محض داغِ تمنا اور سراپا آرزو بن کر رہ گئی تھی، ظاہر ہے کہ ایسے حسرت زدہ اور ارمان سوختہ انسان کے دل و دماغ پند و نصیحت کے لیے کس قدر موزوں ہوں گے۔ ظفر نے اس سلسلہ میں جتنے اشعار کہے ہیں، وہ محض ایک فلسفی کے خیالات نہیں ہیں، بلکہ اپنی وارداتِ زندگی سے جو کچھ اس نے محسوس اور اخذ کیا، ان کو اشعار کی سلک میں منسلک کر دیا ہے، وہ الفاظ کے گورکھ دھندوں اور خیالات کے ہنگاموں میں اپنے اور اپنے ناظرین کو گم کرنا نہیں چاہتا ہے، بلکہ سیدھے سادے الفاظ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہے، پیش کر دیتا ہے، اس کی تمام زندگی اور پھر اس کے اشعار آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں، تو پڑھنے والوں پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے، جو غیر ارادی طور پر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

شاہجہاں اور جہانگیر کا آخری جانشین گویا اپنی سلطنت کی ویرانی کا یہ عبرت ناک مرقع کھینچتا ہے۔

جہاں ویرانہ ہے پہلے کبھی آباد گھریاں تھے ۔ شغال اب ہیں جہاں رہتے کبھی بستے بشریاں تھے
جہاں چٹیل ہے میدان اور سراسر ایک خارستان کبھی یاں قصر و ایواں تھے، چمن تھے اور شجریاں تھے
جہاں پھرتے بگولے ہیں اڑاتے خاک صحرا میں کبھی اڑتی تھی دولت، رقص کرتے سیمبریاں تھے
جہاں ہیں سنگ ریزے تھے یہاں یاقوت کے تودے جہاں کنکر پڑے ہیں اب کبھی رلتے گہریاں تھے
جہاں سنسان اب جنگل ہے اور ہے شہر خاموشاں کبھی کیا کیا تھے ہنگامے یہاں اور شور و شریاں تھے
جہاں اب خاک پر ہے نقشِ پائے آہوئے صحرا کبھی محو تماشا دیدۂ اہلِ نظریاں تھے

ظفر احوال، عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتریاں تھے

اس ماتم میں دنیا کی بے ثباتی کا پورا نقشہ ہے، ظفر کی زندگی اور اس کا المناک خاتمہ کچھ ایسا تھا کہ وہی دنیا کی بے ثباتی کی مکمل اور پر دردہ تصویر کھینچ سکتا تھا، ایک جگہ کہتا ہے۔

صبح گلشن میں صبا ترا اگر ہووے گذر کہیو بلبل سے ذرا اتنا کہ اے شوریدہ سر
کر رہی ہے چہچہے کیا شاخِ گل پر بیٹھ کر یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور

Marfat.com
Marfat.com

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

یہ تو شعر و شاعری کی زبان تھی، مگر اسی کو صاف صاف ایک پوری غزل میں دوسری جگہ بیان کرتا ہے۔

جو تماشا دیکھنے دنیا میں تھے آئے ہوئے — کچھ نہ دیکھا پھر چلے آخر وہ پچھتائے ہوئے
فرشِ مخمل پر بھی مشکل سے جنھیں آتا تھا خواب — خاک پر سوتے ہیں اب وہ پانوں پھیلائے ہوئے
جو مہیائے فناہستی میں ہیں مثلِ حباب — ہوتے ہیں اول ہی سے پیدا وہ کفنائے ہوئے
غنچے کہتے ہیں کہ ہوگا دیکھئے کیا اپنا رنگ — جب چمن میں دیکھتے ہیں پھول کمھلائے ہوئے
غافلو اس اپنی ہستی پر کہ ہے نقشِ بر آب — موج کے مانند کیوں پھرتے ہو بل کھائے ہوئے

اسی لیے وہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کو عبث اور ہیچ سمجھتا ہے، اس کی زندگی اور اس کی زندگی کی تمام نیرنگیاں عبرت کا پیام تھیں، ایک عظیم الشان سلطنت کی بیخ کنی اوس کی نظروں کے سامنے ہو رہی تھی، ایک پرجلال، پرہیبت اور پُرشکوہ خاندان کے خدم و حشم، عز و شان اور سطوت و جبروت کا خاتمہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، تختِ طاؤس پر بیٹھنے والوں کا جانشین، ہمالیہ سے اور راسکماری تک کے فاتح کا وارث اور کوڑیوں کی طرح زر و جواہر لٹانے والے کی یادگار چند روپیوں کی محتاج ہو رہی تھی، ایسی حالت میں دل اور جگر کے زخموں کی ٹپک سے یہ دردانگیز چیخیں کیوں نہیں نکلتیں کہ:

سب کارِ جہاں ہیچ ہے سب کار جہاں ہیچ — اس ہیچ سے امید ہے اے ہیچمداں ہیچ
مانندِ حباب ایک نفس میں ہے خرابی — اس منزل فانی میں ہے بنیادِ مکاں ہیچ
اک عمر رہے مایۂ دنیا سے گراں بار — آخر کو جو دیکھا تو بجز بارِ گراں ہیچ
اس باغ میں تھوڑی سی بہار اور پھر اس پر — اے نوگل خنداں مجھے تشویشِ خزاں ہیچ
ہو جنسِ تنک مایۂ ہستی کے نہ خواہاں — یہ جنس یہ بازار یہ گوہر، یہ دکاں ہیچ
آوازِ طرب گوشِ دلِ محو فنا سے — جز نالۂ و فریاد و بجز آہ و فغاں ہیچ
پایا نہ بجز داغِ سیہ کاری یک عمر — نقشِ قدم قافلۂ عمر رواں ہیچ

Marfat.com
Marfat.com

کیا دیکھیں ظفر خانۂ ہستی کا تماشہ
اس وہم کدہ میں بجز وہم و گماں ہیچ

مگر ظفر جانتا تھا کہ اس کی اور اس کے خاندان کی زندگی کی داستان خواہ کیسی ہی درد ناک اور عبرت ناک ہو، وہ انسانیت کی دنیا میں گنہگار اور مجرم ہوگا، اگر وہ لوگوں کے لیے صرف الم دیاس اور حسرت وحرماں کا پیام چھوڑ جائے گا، وہ اس سے واقف تھا کہ زمانہ انقلاب آفرین ہے، اس دنیا میں۔

نہ دائم غم ہے نہ مے عشرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے — تبدل یاں ہے ہر ساعت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے
کوئی دن سے بہار گل پھر آخر ہے خزان بالکل — چمن ہے منزل عبرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

اسی لیے اس کا پیام ہے کہ فلک کے تمام مظالم کے باوجود انسان کی ہمتِ مردانہ کا اقتضا یہ ہے کہ ضبط وصبر سے کام لے اور خدا پر بھروسہ کرے کہتا ہے۔

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں پیہم — دل اس کے ہاتھ سے پر درد ہے اور چشم ہے پرنم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہوں گے لاکھ غم پر غم — کہے جاؤں گا میں ہر دم یہی جبتک ہے دم میں دم

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

اور جب انسان خدا پر بھروسہ اور توکل کرنے لگتا ہے، تو پھر دنیا کے تمام لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔

بلا سے اگر نہیں کوئی رفیق و آشنا میرا — خدا پر دھیان ہے میرا نگہبان ہے خدا میرا
خدا آسان کریگا گو ہے مشکل مدعا میرا — خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

مگر ظفر کا خدا پر بھروسہ کرنے سے مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ انسان اپنی زندگی کو خود سنوارنے کی کوشش نہ کرے، ظفر جانتا تھا کہ انسان کو اسی دنیا میں زندگی بسر کرنا ہے، وہ اپنے لیے کوئی نیا عالم اور نیا آسمان پیدا نہیں کر سکتا ہے، مگر ہاں اس کے لیے خوش گوار راہیں کھلی ہوئی ہیں

Marfat.com
Marfat.com

جن پر چل کر وہ اس دنیا میں مسرت وراحت کی زندگی گذار سکتا ہے، وہ کون سا راستہ ہے ملاحظہ ہو۔

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل　　دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

نخوت، پندار، تکبر اور غرور کی راہ میں صرف تباہیاں اور بربادیاں ہیں، اس لیے:

کم ظرف پر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ　　مانند جوش خم نہ زیادہ ابل کے چل
فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوز دل کے ساتھ　　اس پر سپند دار نہ اتنا اچھل کے چل

اس دنیا میں قدم قدم پر مکر وفریب کا جال ہے، ہوش وخرد کا تقاضا ہے کہ انسان ان سے دامن بچا کر زندگی کی مشکل راہوں کو طے کرے۔

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما　　سایہ سے بچ کے اہلِ فریب دوغل کے چل

مگر اس کے باوجود انسان کی زندگی کی منزلیں اسی وقت طے ہوسکتی ہیں، جب وہ خود اپنے پاؤں سے چلے اور اس کو اپنے بازو کی قوت پر اعتماد ہو۔

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل　　بل ہے تو بل کے بل پہ تو اپنے بل کے چل

اور اس کے ساتھ ہی آنکھوں میں بصیرت کا نور چاہیے کہ اندھیری راہ گم نہ کر سکے۔

پھر آنکھیں بھی دی ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم　　کہتا ہے کہ کون تجکو نہ چل چل سنبھل کے چل

لیکن انسان کو اپنی تمام جدوجہد اور سعی وکوشش کے باوجود کارکنانِ قضا وقدر ہی کا بہرحال محتاج رہنا ہے۔

انساں کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ　　اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

ظفر زندگی کے مسائل کو یہیں پر ختم نہیں کر دینا چاہتا ہے، بلکہ اس نے ایک عالمگیر لطف، کرم کا بھی پیام دیا ہے، جس کے ذریعہ سے اس کا خیال ہے کہ انسان نہ صرف اپنے کو اوصاف حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ سے متصف کرسکتا ہے، بلکہ وہ کائنات کی تمام چیزوں کو اپنے قابو میں لا سکتا ہے، ایک الہامی شاعر بن کر کہتا ہے۔

گوشِ دل میں مری آئی سحر آواز سروش　　کہ کسی یار کے شکوے سے نہ کر کچھ تو خروش

Marfat.com
Marfat.com

گر کہیں یار بُرا لطف سے تو ہو خاموش یار عیار ہے تو پھر یار ہے اے صاحب ہوش

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پھر لطف کی سحر آفرینیوں پر رقم طراز ہے۔

لطف سے وحشی صحرا ہی نہیں تنہا رام لطف سے ماہی و مرغ آئے تہ حلقۂ دام

لطف سے بنتے ہیں انساں ہی فقط کیا خدام لطف سے ہوے پرستار پری ، دیو غلام

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے کن کے جو وے کہتے ہی دونو عالم لطف سے روح ہوئی داخلِ جسمِ آدم

لطف سے گرچہ ہو معشوق بھرے عشق کا دم لطف سے غیر بنے بندۂ بے دام و درم

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

آگے چل کر جو شاعرانہ انداز سے گل افشانیاں کی ہیں، ان میں دقتِ نظر کے ساتھ زورِ بیان بھی ملاحظہ ہو:

حلقۂ موجِ ہوا قوسِ قزح قوسِ ہلال گردشِ چرخِ برین گردشِ مہ، گردشِ سال

گردشِ ساغرِ مے ، گردشِ فانوسِ خیال سب تجھے کہتے ہیں یہ حلقہ بگوشوں کی مثال

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

اسی طرح بعض جستہ جستہ ناصحانہ خیالات دیوان میں بہت کچھ ملیں گے، مثلاً

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی ، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

عقل پر ناز ہے قدرت پر نظر کسکو ہے سب کو فکر آج کی ہے، کل کی خبر کس کو ہے

فنا ہے ساتھ تو پھر زندگی سے کیا حاصل فنا سے پہلے فنا ہو کہ ہو بقا حاصل

جو دل کو صاف ہو کرنا تو خاکساری کر کرے ہے خاک سے دیکھ آئینہ صفا حاصل

Marfat.com
Marfat.com

خاک کا پتلا ہے انسان اے ظفرؔ اس کے لیے سرکشی اچھی نہیں ہے خاکساری کے لیے

.....

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے

.....

دنیا کا ہے مزا ظفرؔ انجام کار زہر میٹھا سمجھ کے لوگ اسے للچا گئے تو ہیں

.....

اے ظفر چاہیے بندے کو گنہ سے پرہیز ورنہ کچھ شک نہیں غفار کی غفاری میں

.....

گلشنِ دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو غنچہ ساں تم دوش پر رختِ سفر باندھے رہو

.....

جو کہ ہے قسمت میں ہونا ہوگا آخر کو وہی اے ظفر کیا شکوہ اس کا یوں ہوا یا دوں ہوا

.....

برے ہیں یا بھلے ہم تم ظفرؔ لیکن غنیمت ہیں کہ یاں آئیں گے پھر پھر کہ نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

.....

دنیا سے جس نے کھینچ لیا ہاتھ اے ظفرؔ پھیلائے پانوں کیوں نہ ہو کنجِ فراغ میں

.....

آدمی کو چاہئے آدم شناسی اے ظفرؔ ہے یہ فرمودہ ہمارے حضرتِ تیمور کا

.....

منعم اس دولت دنیا پر نہ کر دیکھ غرور سیکڑوں گور میں کیا کیا نہیں بہرام دے

ظفر کی صوفیانہ شاعری:

یہی ناصحانہ خیالات آگے چل کر صوفیانہ خیالات میں تبدیل ہو گئے ہیں، حوادث زمانہ اور وارداتِ زندگی نے ظفر کے دل میں اپنے مالک حقیقی کی لگن ایسی پیدا کر دی تھی کہ آخر میں وہ بادشاہِ وقت ہونے کے بجائے ایک صوفی منش فقیر ہو گیا تھا، اس کی زندگی صبر، توکل اور استغناء کی داستان ہے، طبیعت میں فقر و درویشی کا خمیر موجود تھا، ہجوم مصائب

Marfat.com
Marfat.com

نے اس نشہ کو اور تیز کر دیا۔ عہدِ طفلی ہی میں مولانا فخر الدینؒ سے شرفِ بیعت حاصل کی، چناں چہ خود کہتا ہے:

مرشدِ پاک رواں فخر الدین   قبلہ و کعبہٗ جان فخر الدین
اک جہان فخر جہان کہتا ہے   پر ہے فخر دوجہاں فخر الدین
میں گدا ہوں ترے دروازے کا   جاؤں اس در سے کہاں فخر الدین
موجزن ہے ترا دریاے کرم   از کراں تابہ کر ان فخر الدین
ہے مدد تیری توانائی بخش   میں ہوں بے تاب و تو ان فخرالدین
کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر   میرا سب راز نہاں فخر الدین
رکھ ظفؔر ہر نفس و ہر ساعت   شغل دل در و زباں فخر الدین

ایک جگہ اور کہتا ہے

کیا خطر اس کو راہ دیں میں ظفرؔ   رہنما جس کا فخر دین ہو جائے

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے[1]

اے ظفر میں کیا بتاؤں تجھ سے جو کچھ ہوں سو ہوں   لیکن اپنے فخر دین کے کفش برداروں میں ہوں

---

[1] اس عقیدت کا اظہار اپنے دیوان میں متعدد بار کیا ہے، مثلاً

خاک پائے فخر دین نے اپنے حق میں کیمیا   اے ظفر کیوں خواہش اکسیر کرنی چاہیے
کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت میں   اے فخر جہاں سب وہ تیری ہی عنایت ہے
جو خاک بھی ہوں تو ہوں فخردین کے در کی   ظفر چھوڑ آئے نہ مجھ سے اس آستاں کو چرخ
اللہ اللہ جلوہٗ حسن و جمال فخر دیں   ہے اسی پر اے ظفر گرویدہ دل گرویدہ آنکھ
مدد اے فخر جہاں تا ہوں ظفر کے دل میں   سب ملال آپ کے الطاف و عنایات میں رفع
ظفؔر دشوار ہے ہر چند اہلِ معرفت ہونا   مگر صدقے میں فخر الدیں کے ہاں ہوسکتا ہے سب کچھ
جس کا ہے سرمہ ظفؔر خاک در فخر الدین   چشم بددور وہ ہے، اور ہی تاثیر کی آنکھ
کوچہٗ فخر جہاں کی اے ظفؔر   خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

Marfat.com
Marfat.com

ظفر کو اس خاندان سے کچھ ایسی شیفتگی تھی کہ مولانا فخر الدینؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولینا قطب الدینؒ سے بیعت لی، خود رقم طراز ہے۔

مرید قطب دین ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں — گرچہ شاہ ہوں ان کا غلامِ کمترین ہوں میں
ان ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں — وگرنہ یوں تو بالکل روسیہ مثل نگیں ہوں میں
نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ میخانہ سے کچھ مطلب — ہمیشہ گھسنا ان کے آستانے پر جبیں ہوں میں
رہوں میں رند میکش پر رہوں ان کی محبت میں — نہیں خواہش مجھے یہ صوفی خلوت نشیں ہوں میں
مجھے تو خانقاہ و میکدہ دونوں برابر ہیں — ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں کہیں ہوں میں
یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہیں رہنما میرے — سمجھتا ان کو اپنا حامی دنیا و دین ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں — ولیکن اے ظفرؔ ان کا گدائے رہ نشین ہوں میں

اور جب مولینا قطب الدین کا وصال ہوا، تو ان کے صاحبزادے غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب سے وہی جوشِ عقیدت اور قلبی تعلق قائم رکھا، حالاں کہ موخر الذکر اپنے والد کے انتقال کے وقت محض خوردسال تھے، ظفر نے ان کی طرف سے اپنے احساسات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

نظام خانۂ فخر جہاں تمھیں تو ہو — قیامِ سلسلہ و خاندان تمھیں تو ہو
نہ کیوں کر تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین — خدا رکھے تمھیں ان کا نشاں تمھیں تو ہو
تمہارے در پر جھکا کر سر ارادتِ خلق — کہے ہے کعبۂ امن و امان تمھیں تو ہو
نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل — کہ شمعِ محفل صاحبدلاں تمھیں تو ہو
تمہاری قوت باطن سے تقویت ہے مجھے — کہ میرے باعث تاب و تواں تمھیں تو ہو
بغیر آپ کے ہوں کیوں نہ جان و دل بے چین — کہ راحت دل و آرام جاں تمھیں تو ہو
ظفر کی چاہیے نصرت تمھیں نصیر الدین — کہ اس کے یار و مدد گار تمھیں تو ہو

ظفر کو نہ صرف اپنے مرشدوں سے یہ ارادت و عقیدت تھی، بلکہ باکمال صوفیائے کرام سے بھی یہی عقیدت مندانہ غلو تھا، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک

Marfat.com
Marfat.com

مخمس لکھ کر کہتا ہے۔

تم ہو اے خواجہ معین سروران حق پرست — تم ہو رمز آگاہ کن اور واقفِ سرّ الست
تم مددگار ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست — پر فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہیں پا ودست
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

اسی مخمس میں آگے چل کر لکھتا ہے:

خاک پر سے جو کہ ہل سکتا نہ ہو جوں نقشِ پا — تم اٹھاؤ تو وہیں ہو وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا
عیسیٰ جان بخش ہو تم اور خضر رہ نما — دردمندوں کی دوا ہو ناتوانوں کے عصا
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

ظفر نے خود اپنے ہاتھوں پر بھی بیعت لینی شروع کی تھی، قلعہ معلیٰ کے لوگ، پھر سرکار کمپنی بہادر کے دیسی سپاہی اس کے حلقہ بگوش تھے، آگے چل کر تصوف کی چاشنی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ سعدی کی گلستان کی شرح صوفیانہ نقطۂ نظر سے خود لکھی اور اشغال واذکار میں ایک کتاب سراج المعرفت نام مفتی میر لال سے لکھوائی [1]۔

ظفر کی متصوفانہ طبیعت کے اثرات اس کی شاعری سے بھی ظاہر ہیں، لیکن وہ تصوف کا کوئی فلسفی نہیں، اس لیے خیالات اور مسائل کے اظہار میں نہ وہ نکتہ آرائی اور جدت طرازی کرتا ہے اور نہ غالبؔ کی طرح تصوف کے عقدہائے سربستہ کی تحلیل اور تشریح میں دقیق اور نکتہ آفریں الفاظ استعمال کر کے خیالات کو ادق اور مشکل بناتا ہے، بلکہ اپنے قلب کے تاثرات اور احساسات کو سیدھے اور سادے الفاظ میں پیش کر دیتا ہے، جن کو پڑھنے کے بعد مفہوم کو سمجھنے کے لیے غور وفکر کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ بے اختیارانہ طور پر اس کے اثرات خود بخود دل پر قائم ہوتے جاتے ہیں، اس کی شاعری مادی خیالات سے ملوث ضرور ہے، عشق مجازی کی تمام کیفیتیں بھی اس

---

[1] یہ معلومات امیر احمد علوی صاحب بی اے کی کتاب بہادر شاہ ظفر سے لی گئی ہیں، بہادر شاہ ظفر کی ایک اور تالیف موسوم بہ ''لغت واصطلاح دکن'' تین جلدوں میں ہے، لیکن یہ مفقود ہے، اس کا اشارہ شرح گلستاں سعدی کے دیباچہ میں ہے، شرح گلستان ۱۲۵۹ھ میں مطبع سلطانی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

Marfat.com
Marfat.com

پر طاری ہیں، لیکن اس عشق مجازی کی شراب سے اس میں عشق حقیقی کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس نشہ کی سرمستی، بے خودی اور خود فراموشی اس پر اس قدر غالب آ جاتی ہے کہ شعر کہتے کہتے خود اس میں گم ہو جاتا ہے اور بے خود ہو کر کہتا ہے۔

مئے وحدت کی ہم کو مستی ہے بہت پرستی خدا پرستی ہے

اس ''مئے وحدت'' کے خمار میں اس کو عالم ناسوت کی تمام چیزیں عالم لاہوت میں نظر آتی ہیں اور ایک وجدانی کیفیت میں تصور کرتا ہے کہ:

شعلہ ہے وہی شمع وہی ماہ وہی ہے خورشید وہی نور سحر گاہ وہی ہے
حور و ملک و دیو پری انس و بنی جان سب صورتوں میں ماہی دلخواہ وہی ہے
یوسف ہے وہی، وہی زلیخا وہی یعقوب کنعان ہے وہی مصر وہی چاہ وہی ہے
رہرو وہی رہبر وہی وہ ہی رہِ مقصود گمراہ وہی راہ سے آگاہ وہی ہے
کیا حسن میں کیا عشق میں سب میں ہے وہی نور یہ موجب غمزہ سبب آہ وہی ہے
مجنون خراباتی و دیوانہ و ہشیار درویش و گدا شاہ و شہنشاہ وہی ہے

خار ا میں شرر ہے وہ ظفر لعل میں وہ رنگ
واللہ وہی سب میں ہے باللہ وہی ہے

اسی کو اپنی ایک فارسی غزل میں کہتا ہے

اینکہ بینی ہمہ ہا قالب و جان ہمہ اوست
بلکہ ہم قالب و ہم روح رواں ہمہ اوست

انچہ بیرون ود رون ست ہما نست ہماں
راز فاش ہمہ اوستر نہان ہمہ اوست

در پسِ پردہ و بے پردہ در آید از دل
بے نشان و سبب نام و نشان ہمہ اوست

نیست دیر و حرم از شیخ و برہمن آباد

Marfat.com
Marfat.com

ہمہ مہمان ومکینے مکان ہمہ اوست

اے دل آن گوہر یکتا کہ نیرزد بدو کون

چشم بکشا د ببیں زیب دکانِ ہمہ اوست

شعلۂ ناز جحیم و گل گلزارِ نعیم

یك تجلی است کہ در جلوۂ شان ہمہ اوست

می زند اے ظفر امروز بباغِ توحید

ہمچول بلبل دل شوریدہ فغان ہمہ اوست

یہ شاید استاد غالبؔ کے اس سوال کا جواب ہے کہ:

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ آخر تو کیا ہے ، اے نہیں ہے

لیکن اس حقیقتِ مستور کا احساس ہوا، تو اس کا مشاہدہ بھی ضروری ہے، تصوف کی راہ میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے، جب کہ طالبِ حقیقت وادئ تحیر میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

صفاے حیرت آئینہ ہے سامان رنگ آخر

تحیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

(غالب)

اور پھر وہ ایسا حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ ساری حقیقتیں سامنے ہوتی ہیں، لیکن وہ دیکھ نہیں سکتا ہے۔

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھایئے

طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھایئے

(غالب)

ظفرؔ پر بھی ایسی کیفیت طاری ضرور ہوتی ہے، وہ کہتا ہے۔

میں ہوش میں ہوں یارب یا کہ مجھے وحشت ہے — کہ جوش ہنسی کا ہے کہ گریہ کی شدت ہے

مجذوب ہوں یا سالک، غافل ہوں کہ دیوانہ — کیا جانئے میں کیا ہوں اور کیا میری حالت ہے

Marfat.com
Marfat.com

پھر کہتا ہے:

دکھاتا یار ہے ہر رنگ میں جلوہ ہمیں لیکن
کہاں سے لائیں وہ آنکھیں کہ جن آنکھوں سے ہم دیکھیں

مگر وہ مشاہدۂ جمال سے محروم نہیں ہوتا ہے، بلکہ حُسنِ عالم افروز اور جمالِ جہان آراء کو دیکھتا ہے۔

گر شعلہ میں گرمی ہے تو گل میں نزاکت ہے ہر شے میں نظر آتی اللہ کی قدرت ہے
جلوہ تجھے وہ اپنا ہر شے میں دکھاتا ہے پردہ تری آنکھوں کا پر تیری ہی غفلت ہے

اور جب وہ دیکھ چکتا ہے تو بے خود اور سرمست ہو کر نعرہ زن ہوتا ہے:

ترا حسن ہم جلوہ گر دیکھتے ہیں جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں
کریں کیوں کر دل کی نہ ہم پاسداری کہ ہر دل میں ہم تیرا گھر دیکھتے ہیں

طالب حقیقت جب مطلوب کے دیدار سے شرف اندوز ہوتا ہے، تو اس موقع کی لذت کی کیفیت جو ظفر نے کھینچی ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

مری آنکھ بند تھی جب تلک وہ نظر میں نور جمال تھا کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ خواب تھا کہ خیال تھا
کہو اس تصور یار کو کہوں کیوں نہ خضر فجستہ پے کہ یہی تو دشت فراق میں مجھے رہنمائے وصال تھا
مرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں جو یہ دل پہ رنج و ملال ہے وہ جب آ گیا مرے سامنے نہ تو رنج تھا نہ ملال تھا
وہ ہے بے وفا وہ ہے پر جفا وہاں لطف کیسا وفا کہاں فقط اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا
پس پردہ سن کے تری صدا ترا شوق دید جو بڑھ گیا مجھے اضطراب کمال تھا، یہی وجد تھا یہی حال تھا

ظفر اس سے چھٹ کے جو جست کی تو یہ جانا ہم نے کہ واقعی
فقط ایک قید خودی کی تھی، نہ قفس تھا کوئی نہ جال تھا

ظفر اس قرب و وصال کو اہل تصوف کی طرح ایک راز ضرور سمجھتا ہے، لیکن اس کا

Marfat.com
Marfat.com

خیال ہے کہ یہ راز ایسا نہیں، جو صرف محدود طبقہ ہی کو معلوم ہو سکے، خودی کو مٹا کر جس کسی نے دیدۂ بینا اور دلِ مصفا اور پھر سرگرمی جستجو اور جوش جنوں پیدا کر لیا، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کا دل حقیقت آشنا نہ ہو، کتنے سادے الفاظ میں اوس نے حقیقت کے راز کو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔

جو عرش سے ہے فلک تلک سب کچھ اسی میں ہے — دیکھ آنکھ کھول کر
کیا کیا نہیں ہے اس میں کہ سب کچھ اسی میں ہے — پر چاہئے نظر
دل اپنا پہلے زنگِ کدورت سے صاف کر — مانندِ آئینہ
پھر تو بغور دیکھ کہ اس آرسی میں ہے — کیا حسن جلوہ گر
پیدا نگاہ کر کہ تجلی حسنِ یار — سب جا ہے آشکار
شعلہ سے طور کے نہیں کم روشنی میں ہے — ہر سنگ کا شرر
کیوں کعبۂ و کنشت میں سر مارتا ہے تو — سرگرمِ جستجو
تو جس کو ڈھونڈھتا ہے چھپا وہ تجھی میں ہے — پر تو ہے بے خبر
جوش بہار حسن سے کس گل کی اے صبا — ہے یہ جنون کا جوش
مصروف اس قدر جو گریباں دری میں ہے — ہر غنچہ ہر سحر
ہے دور جام و صحبتِ یارانِ زندہ دل — کیفیتِ حباب
کچھ ہے اگر مزا تو یہی زندگی میں ہے — باقی ہے دردِ سر
اے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ — ہے وہ بہت قریب
گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی میں ہے — اس سے ہے دور تر
صد داغ سوز عشق سے کھا بلکہ صد ہزار — ہر داغ دل پہ تو
لذت تجھے نصیب اگر عاشقی میں ہے — اے سوختہ جگر
افشائے رازِ عشق نہ کر کہکے جی کی بات — پردہ ہی خوب ہے
جی ہی میں اپنے رہنے دے جو کچھ کہ جی میں ہے — خاموش اے ظفر

Marfat.com
Marfat.com

ظفر کا خیال ہے کہ حقیقت مستور نہیں، ہم اس کو دیکھتے نہیں، محض اس لیے کہ ہماری آنکھوں پر خودی اور نفس کا پردہ پڑا ہے، اگر یہ پردہ ہٹ جائے، تو تمام رموزِ سربستہ اور اسرارِ پوشیدہ ظاہر ہو جائیں اور دل انوارِ الٰہی کا مظہر بن جائے، پھر ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی تفاوت باقی نہ رہے، اسی کو واضح کر کے کہتا ہے۔

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا یا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشین کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

ایک جگہ اور کہتا ہے:

اگر ہے دیکھنا اس کو اٹھا دے اپنی ہستی کو
اگر تجھ میں اور اس میں پردہ حائل ہے تو بس یہ ہے

پھر کہتا ہے:

ہر جائے ہے قدرت کا تماشا مرے آگے
لیکن مری غفلت کا ہے پردہ مرے آگے

اب اس کے لیے ظفر کے یہاں عرفی کی طرح ''شعارِ ملت اسلامیاں''[1] چھوڑنے اور نہ غالب کی طرح رسوم و قیود کے ترک کرنے[2] اور نہ عام صوفیوں کی طرح حال و قال اور مقام و قیام پر پابند ہونے کی ضرورت ہے، ظفر کے نزدیک تصوف کی راہیں پیچ در پیچ نہیں۔

راہیں ہیں دو مجاز و حقیقت ہے جن کا نام
رستے نہیں ہیں عشق کی منزل کے چار پانچ

چناں چہ اس کے یہاں انوارِ معرفت حاصل ہوتے ہیں تو اس طرح کہ

پردہ دوئی کا بیچ میں حائل اگر نہ ہو
کیجئے جدھر نگہ وہی پیش نگاہ ہے

---

[1] عرفی نے کہا ہے:
شعارِ ملت اسلامیان بگذار اگر خواہی — کہ در دیر مغاں آئی و اسرار نہاں بینی

[2] مرزا غالب کہتے ہیں
ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم — ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

Marfat.com
Marfat.com

سادہ بیانی:

ظفر نے جس طرح خیالات کو آسان اور سادہ بنانے کی کوشش کی ہے، اسی طرح اپنی شاعری میں زبان بھی نہایت ہی آسان اختیار کی ہے، اس کا پورا دیوان پڑھ جاؤ، مشکل سے کوئی غزل ایسی نظر آئے گی، جس میں فارسی کے مغلق ترکیبیں اور غیر مانوس لفظ استعمال کئے ہوں گے، اسی لیے بعض ہمعصر شعراء کی طرح اس کی غزلوں میں بہت کم بیان اور معنی کا الجھاؤ پیدا ہونے پایا ہے، بعض غزلیں تو سلاست اور روانی کا نمونہ ہیں، کچھ ایسی ہیں کہ اگر ان کو نثر بنانا چاہیں، تو لفظوں کو آگے پیچھے کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی، مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ان کے دل میں غبار ہے دیکھیں کس طرح سے صفائی ہوتی ہے
عاشق! زیرِ تیغ سر دھر دو ابھی مشکل کشائی ہوتی ہے

آشنا ہو تو آشنا سمجھے ہو جو نا آشنا تو کیا سمجھے
ہم اسی کو بھلا سمجھتے ہیں آپ کو جو کوئی برا سمجھے
تو ہی کعبہ میں تو ہی بتکدہ میں ہے وہ مشرک جو دوسرا سمجھے
اے ظفر وہ کبھی نہ ہو گمراہ جو محبت کو رہنما سمجھے

میں ہوں عاصی کہ پر خطا کچھ ہوں تیرا بندہ ہوں اے خدا کچھ ہوں
جز و کل کو نہیں سمجھتا میں دل میں تھوڑا سا جانتا کچھ ہوں

صنما ہم کہیں تو کیا کہویں بخدا ہم کہیں تو کیا کہویں
مدعی کہنے ہی نہیں دیتے مدعا ہم کہیں تو کیا کہویں

مثل فوارہ سر بلند نہ کر کہ بلندی کے ساتھ پستی ہے
رنج و غم کو خدا رکھے آباد خانہ دل میں ایسی بستی ہے

وہ بت جمال اور ہی ہے اس میں دیکھا کماں اور ہی ہے

Marfat.com
Marfat.com

ترا ابرو کہاں ہلال کہاں مہ جبیں پر ہلال اور ہی ہے

سہل ممتنع کی مثال ملاحظہ ہو:

دردِ دل اپنا صنم کیوں نہ ہم تجھ سے کہیں
چپ رہا جاتا نہیں کب تلک چپکے رہیں
بھر رہا ہے دل مرا کیوں نہ پھر آنسو بہیں
چشم و دل دونوں برے ہم بھلا کس کو کہیں
یہ تیرے جورو ستم یار ہم کب تک سہیں
اس غزل پر سب ظفر آفرین تجھ کو کہیں

ظفر کی شاعری کا بڑا حصہ اسی سادگی کا مکمل نمونہ ہے، ہر جگہ طرز بیان صاف، سادہ اور سہل ہے، بھاری اور گران لفظ بہت ہی کم ہیں، ظفر نے اس قسم کا طرز جان کر اختیار کیا، خود کہہ گیا ہے۔

اے ظفر چاہئے ہاں لطف سخن میں ایسا کہ جسے سن کے ہوں سب عالم و جاہل محظوظ

چناں چہ بعض اوقات یہ سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کی شاعری روزمرہ کی گفتگو معلوم ہونے لگتی ہے مثلاً:

مر گیا بیمار اس کے نرگس بیمار کا دوستو اچھا ہوا ، اچھا ہوا ، اچھا ہوا
خبر تو ہے کیا ہوا ، بگڑی کہیں اس یار سے آج کیوں تو اے ظفر پھرتا ہے گھبرایا ہوا

☆☆☆

ساتھ میرے چلے چلو چپ چپ راہ میں تم نہ کچھ کہو چپ چپ
گھر میں چل کر شکایتیں کرنا یاں نہ مجھ سے کہو سنو چپ چپ
میرے جاتے ہی ان کے غیروں سے پھر گلی ہونے گفتگو چپ چپ
ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ نہ کرو شور بلبلو چپ چپ
دل کسی غنچہ لب کو تم نے دیا اے ظفر تم بھی رہتے ہو چپ چپ

Marfat.com
Marfat.com

جس کو سناؤں درد دل آئے نہ اس کو تاب سنتے ہی یہ کہے کہ بس اے درد مند بس
اتنی زباں دراز نہ ہوں یاں بھی ہے زبان بس اب آگے کیجئے زبان اپنی بند بس

☆☆☆

میری نگاہ ہے وہ غضب دیکھ کر جسے خنجر تو الحفیظ کہے الامان تیغ
ہوں وہ مثلِ زلف برہم اور میں ان کی زلفوں کی بلائیں لوں چہ خوش

☆☆☆

آؤ گھر میرے اے صنم آؤ تمھیں اللہ کی قسم آؤ
قاصد و لاؤ جلد خط کا جواب ایک دم جاؤ ایک دم آؤ
اے بتو میرے خانۂ دل کو دیر تم سمجھو یا حرم آؤ

☆☆☆

میری گریہ سے ہے اگر منظور سیرِ آبِ رواں ادھر آؤ
اتنی تاثیر ہے کہاں کہ جو تم سن کے میری فغاں ادھر آؤ
آگئی میری جان ہونٹوں پر اب تو اے میری جاں ادھر آؤ

☆☆☆

جاؤ تنہا نہ تم تمہارے ساتھ جائیگی میری جاں کھڑے تو رہو
ہے پڑی دل جلوں کی آہ جہاں تاب کیا تم وہاں کھڑے تو رہو
قد پہ نازاں ہے اپنے سروچمن اک ذرا تم بھی ہاں کھڑے تو رہو

☆☆☆

شکایت کس سے کی میں نے بلا لو سامنے اس کو کرونگا شکوہ میں تیرا معاذ اللہ معاذ اللہ
قدِ جاناں کو دو تشبیہ کیونکر نخل طوبیٰ سے کہاں وہ قد کہاں طوبیٰ معاذ اللہ معاذ اللہ

☆☆☆

Marfat.com
Marfat.com

جو کہ عاشق کو جلائے جوں شمع وہ بھی جلتا رہے ، آمین اللہ
اپنے مرنے کی دعا گر مانگوں وہ ستمگر کہے ، آمین اللہ
جو ستائیں تجھے ان کو بھی ظفر عوض اس کا ملے آمین اللہ

☆☆☆

محبت کے یہ معنی ہیں کہ میں نے وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا
فقیروں سے تو پوچھو لذتِ عشق اہاہا اہاہا اہاہا اہاہا

اس بے تکلف طرز بیان اور اندازِ گفتگو کو سن کر اگر اہلِ سخن ظفر ہی کی زبان سے کہیں کہ:

ع اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

تو شاید حق بجانب ہوں گے۔

محاورات:

اس سادگی کے باوجود ظفر کو زبان پر اتنی قدرت ہے کہ بادشاہِ سخن بن کر زبان اور الفاظ پر فرماں روائی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قلعہ معلّٰی بلکہ اردو زبان کا کوئی محاورہ ایسا نہیں ہے، جو اس کے دیوان میں موجود نہ ہو اور ان محاوروں کو اس خوبی اور صفائی سے اپنے اشعار میں باندھ جاتا ہے کہ اشعار کی روانی میں کہیں فرق نہیں آنے پاتا، مثلاً چُرانا ہے، اب اس مصدر سے جو ممکن اور مروج محاورے تھے، ان سب کو ظفر نے اپنی ایک غزل میں استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

محبت کی کوئی اب آنکھ تجھ سے ہم چراتے ہیں علم ہوں گرچہ سو شمشیر کین کب دم چراتے ہیں
نہیں شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میداں میں نظر وہ دیکھ تیرا ابروئے پرخم چراتے ہیں
نہ روکوں کب تلک اشکوں کو اور روکوں تو ڈر یہ ہے کہ پانی زخم دل اے دیدۂ پرنم چراتے ہیں
یہ طفلِ اشک ہیں وہ جور باندھے چور مژگان پر کہ آنکھوں میں سے کاجل دیکھ تو پیہم چراتے ہیں
ظفر سر عشق کو سر باز دیتے ہیں محبت میں
وگرنہ جان اپنی یاں بڑے رستم چراتے ہیں

Marfat.com
Marfat.com

یا مثلاً توڑنا سے، دم توڑنا، قسم توڑنا، ستم توڑنا، قدم توڑنا، توبہ توڑنا، نشترِ غم توڑنا، نفس سرکش کو توڑنا، اتنے محاورے کو ظفر نے جس طرح استعمال کیا ہے، ان کو بھی دیکھئے۔

زیرِ خنجر ترے بسمل جو یہ دم توڑتے ہیں — کوچۂ غم میں پھر آنے کی قسم توڑتے ہیں
دل مرا لے کے جو وہ سنگِ ستم توڑتے ہیں — کیا ستم کرتے ہیں کیوں ساغرِ جم توڑتے ہیں
ہر قدم پر ترے دیوانے سرِ دشتِ جنون — سیکڑوں خار سدا زیرِ قدم توڑتے ہیں
ابرِ مژگان سے بندھی رہتی ہے اشکوں کی جھڑی — تار رونے کا نہیں دیدۂ نم توڑتے ہیں
جامِ مل دیتے ہیں تو کر نہ تامل ساقی — توبہ ہم آج ترے سر کی قسم توڑتے ہیں
ہیں ہمیں سبحۂ و زنار برابر دونوں — نہ ہم یہ جوڑتے ہیں اور نہ یہ ہم توڑتے ہیں
آتے ہیں پھر سرِ کاوش جو کبھی حضرت عشق — سیکڑوں دل میں مرے نشترِ غم توڑتے ہیں

نفسِ سرکش کو ظفر توڑتے ہیں جو اپنے
میرے نزدیک بڑا ہی وہ صنم توڑتے ہیں

اسی طرح اڑ جانا سے، خبر اُڑ جانا، رونق اُڑ جانا، نیند اُڑ جانا، رنگ اُڑ جانا، تاب اُڑ جانا، مے اُڑ جانا وغیرہ محاورے مستعمل ہوتے ہیں، ان کو بھی ظفر نے اپنے اشعار کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔

جب چمن میں اس کے آنے کی خبر اڑ جائیگی — گل کی رونق دم میں اے بادِ سحر اڑ جائیگی
آپ کا کیا جائیگا گر خواب میں آؤ گے تم — نیند آنکھوں سے ہماری رات بھر اڑ جائیگی
خون کو مل لیگا میرے تو کفِ پا سے ترے — سرخی رنگِ حنا اے فتنہ گر اڑ جائیگی
آئیگا وہ مہروش اے دل تو شبنم کی طرح — تاب و طاقت تیری اس کو دیکھ کر اڑ جائیگی
یہ صبا سے کوئی پوچھے تیرے کیا آئے گا ہاتھ — خاک میری اس کے کوچے سے اگر اڑ جائیگی

شعلۂ رخسار ساقی گر ہوا پر تو فگن
مے جو ہے ساغر میں تیرے اے ظفر اڑ جائیگی

بلا ڈال دینا، مصیبت ڈال دینا، زنجیر ڈالدینا، شمشیر ڈال دینا، قلم ڈال دینا، دریا میں ڈال دینا، جدائی ڈال دینا، آگ ڈال دینا، تاثیر ڈال دینا جیسے محاورات پر ظفر کی طبع آزمائی سنیئے۔

Marfat.com
Marfat.com

دل پر بلائے زلفِ گرہ گیر ڈال دی تونے مصیبت اے مری تقدیر ڈالدی
جب روبرو وہ آئے تو پائے نگاہ میں موج سرشکِ چشم نے زنجیر ڈالدی
اپنی بھویں بنا کے دکھائیں جو یار نے شمشیر گرتے ہاتھ سے شمشیر ڈالدی
لکھا جو ہم نے اپنے سرافگندگی کا حال گردن قلم نے بھی دمِ تحریر ڈالدی
جب ہم سمجھ گئے کہ ہے تقدیر کیمیا دریا میں ہم نے جیسی تھی اکسیر ڈالدی
چوں مہر و مہ بہم ہوے دوبارہ گرد وروز تونے جدائی اے فلکِ پیر ڈالدی
کیا خاک دل مرا ہو خالی کہ اور بھی تونے نہ آگ نالۂ شب گیر ڈالدی
مانی دکھا کے اپنا مرقع خجل ہوا جب اس کے سامنے تری تصویر ڈالدی
کیونکر نہ ہو اثر دلِ عالم میں اے ظفر ترے سخن میں عشق نے تاثیر ڈال دی

کھینچنا کے مختلف محاورات بھی سن لیجیے:

جو خنجر گل نے عندلیب زار پر کھینچا تو قمری کو بھی ہے سرد چمن نے دار پر کھینچا
کھڑا ہوں محوِ حیرت یوں لگا دیوار سے تیرے کسی نے نقش ہو جیسے کوئی دیوار پر کھینچا
وفا کا کر کے تو اقرار ہم سے ہو گیا منکر تری الفت سے ہم نے ہاتھ اس انکار پر کھینچا
جلا دے گا جہاں کو دیکھ لینا یہ دلِ سوزاں جو نالہ اس نے ادراک آہِ آتشبار پر کھینچا
خطِ رخسار کو تیرے جو دیکھا اے گلستاں رو قلم سب خوشنویسوں نے خط گلزار پر کھینچا
ہوئی کچھ تو دل بسمل کی اپنی صورت تسکیں تری تصویر کو جب سینۂ افگار پر کھینچا
دل زخمی سے اپنے ناوک دل دوز کو اس کے
اگرچہ کھینچتا تھا اے ظفر دشوار پر کھینچا

ظفر کے دیوان میں محاورہ بندی کی سیکڑوں مثالیں ملیں گی، ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا ہے، لیکن انھی سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ظفر کو زبان پر کتنی قدرت ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنے کو الفاظ کا تابع نہیں بناتا ہے، بلکہ الفاظ کو اپنا تابع بناتا ہے، اسی لیے وہ الفاظ کے ساتھ کھیلتا ہے اور اسی تفریح اور کھیل میں زبان اور بیان میں ایک خاص لطف اور چاشنی پیدا کر دیتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

صنائع لفظی:

اس کا کلام لفظی صناعی سے جو متاخرین کے کلام کا زیور ہے، خالی نہیں، پہلے مصرع کے لفظوں کو الٹ پلٹ کر دیکھئے کیسے دوسرا مصرع بنالیتا ہے۔

یہی ایک غم ہے ، یہی اک الم ہے　　یہی اک الم ہے یہی ایک غم ہے
مری چشم نم ہے ، اسی رنج و غم میں　　اسی رنج و غم میں مری چشم نم ہے
خدا کی قسم ہے ، یہ کہتا ہوں سچ میں　　یہ کہتا ہوں سچ میں خدا کی قسم ہے
کیا کب رقم ہے کوئی شکوہ میں نے　　کوئی شکوہ میں نے کیا کب رقم ہے
ظفر کیا ستم ہے ہوا دوست دشمن　　ہوا دوست دشمن ظفر کیا ستم ہے

آیا سحاب ساقی تو لا شراب ساقی　　تولا شراب ساقی آیا سحاب ساقی
ہے پیچ و تاب ساقی زلفوں سے تیرے دل کو　　زلفوں سے تیرے دل کو ہے پیچ و تاب ساقی
کیا مست خواب ساقی آنکھیں ہیں آج تیری　　آنکھیں ہیں آج تیری کیا مستِ خواب ساقی
مے آفتاب ساقی ہے ہم خنک دلوں کو　　ہے ہم خنک دلوں کو مے آفتاب ساقی
مت کر خراب ساقی تو بزم میکشاں کو　　تو بزم میکشاں کو مت کر خراب ساقی
جامِ حباب ساقی دریا میں کس نے الٹا　　دریا میں کس نے الٹا جامِ حباب ساقی

ہے یہ عذاب ساقی تو ہے ظفر سے بد تر
تو ہے ظفر سے بد تر ہے یہ عذاب ساقی

بدیع کی اصطلاح میں اس کو "عکس" کہتے ہیں، یہ صفت اردو کے کسی اور شاعر کے یہاں میری نظر سے نہیں گذری، البتہ قدیم فارسی شعراء کے یہاں یہ ملتی ہے، اس کے علاوہ دوسری لفظی صنعتیں بھی ظفر کی شاعری میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ تنسیق الصفات، یعنی کسی موصوف کی پے در پے صفتوں کا لانا، جیسے

شوخ چشمے خوش نگا ہے بیوفا سے بد گمانے　　دل فریبے دلنوازے دلربائے دلستانے
مست نازے فتنہ سازے تند خوے جنگجوئے　　ظلم کیشے ظلم کوشے ظلم خواہے ظلم رانے
کج کلاہے کج ادائے پر فریبے پر دغائے　　بد طریقے بد شعارے بد مزاجے بد زبانے
خوش نگارے خوبروے بذلہ سنجے نغز گوے　　ہوشیارے حرف گیرے نکتہ طبعے نکتہ دانے

Marfat.com
Marfat.com

خود پرستے خود نمائے خود پسندے خود ستائے خود سرے نا آشنائے سر کشے نامہر بانے
ہم ظفر ہیں اس پہ مفتوں خوار و رسوا از محزوں وہ یہ مانے یا نہ مانے وہ یہ جانے یا نہ جانے

۲۔لزوم مالا یلزم یعنی قافیہ کے آخری حرف (روی) کے پہلے کسی خاص حرف کا التزام کر لینا جیسے:

توبہ اے ساقی نہیں پینے کا میں جامِ شراب
مجھ کو اپنی بادۂ وحدت کی مستی خوب ہے

جس طرح مژگان سے میرے ہیں بندھے اشکوں کے تار
اس طرح بدلی نہیں کوئی برستی خوب ہے

خواب میں جلوہ دکھادیتا ہے وہ مہوش کسے
چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے

راہ بہتر ہے رہِ ہموار رہرو کے لیے
نہ بلندی ہے بہت اچھی نہ پستی خوب ہے

خود پرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہے صنم
غافلو حق میں تمہارے حق پرستی خوب ہے

۳۔سیاق الاعداد یعنی کلام میں اعداد کا لانا جیسے:

چلنا مریضِ غم کو ترے آٹھ نو قدم معلوم ہوے ضعف سے دس بیس سو قدم
پہلے تھا ایک ستم پھر ہوے ایک کے دو دو کے پھر چار ہوے ہو گئے اب چار کے چھ
چار بار آٹھ پہر میں ہیں وہ ان سے ملتے ان سے ملنے کی ہیں معلوم جنھیں عادتیں چار
ناخن کریں ہیں زخموں کو دو دو ملا کے ایک تھے آٹھ دس سو ہو گئے اب چھل کے چار پانچ
پھپھولے دل پہ جو دس بیس داغ ہیں دو تین تو قیقے ہیں بہت اور چراغ ہیں دو تین

Marfat.com
Marfat.com

۴۔ تلمیح یعنی کلام میں ایک حصہ دوسری زبان کا لانا جیسے:

جلوۂ شبنم و گل پر ہے رولاتی مجکو دم گلگشت چمن یاد رُخ پر عرقے
کچھ عوض دل کے وہ تکرار سے دیتا ہے تو کیا الے بر الے یا قلقے بر قلقے
رُخِ گلگوں پہ ہے اس گل کو نہ شک کی سرخی جلوۂ صبحِ بہاران و بہار شفقے
اے ظفر تم کو ہے منظور اگر ردِ حسود تو پڑھا کیجئے قل اعوذ برب الفلقے

۵۔ حسن التکریر، اس کی مثالیں تو ظفر کے یہاں کثرت سے ہیں، ہم صرف چند اشعار پیش کریں گے۔

مجھ میں اور کل اس میں باہم گفتگو تھی صاف صاف بات کی لغزش نہ تھی واللہ جو تھی صاف صاف
نکہتِ گل لے گئی دل کو ہمارے باغ میں تیری ہی سی اے سراپا ناز و بو تھی صاف صاف

شمع کی طرح سے ہم رات کو روتے روتے بہ گئے آنسوؤں میں صبح کے ہوتے ہوتے
موت یار آئی تو غفلت سے ہوں یوں ہم ہشیار ڈر کے جوں خواب میں چونکے کوئی سوتے سوتے

آگاہ تو کیا مجھے لذت سے عشق کی زخموں نے اس نے میرے نمک گر بھرا بھرا
کیا بھر دیے ہیں کان خدا جانے غیر نے غصے میں جو بھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

گہ یاس و گہہ امید و گہے رنج و گہہ خوشی مہماں سرائے دل میں ہیں مہمان عجب عجب
اے چشم یار بار نہ ہو دیکھ اشک بار ہر بار تجھ سے اٹھتے ہیں طوفان عجب عجب

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھ ظفر ہے کیا بہار سب کا ہے رنگ جدا جدا سب کی ہے بو الگ الگ
تجھے دے ہے چن چن کے گلہائے تازہ مرا دیدۂ خوں چکاں اچھے اچھے
گر آہ و نالہ دونوں پیدا ہوں ایک دل سے لیکن الگ الگ ہے تاثیر اپنی اپنی
خالی نہیں جہاں میں تمنا سے کوئی دل ہر ایک میں ہے گرچہ تمنا جدا جدا

ایک ہی تشبیہ کو طرح طرح سے ادا کرنا:

ظفر کے یہاں ایک چیز اور ہے، جس سے اس کی قدرتِ ادا کا حال معلوم ہوتا ہے، زلف اور سانپ کی

Marfat.com
Marfat.com

تشبیہ معمولی چیز ہے، مگر دیکھئے کہ ظفر نے اس ایک تشبیہ کو ذرا رنگ بدل کر کس کس طرح ادا کیا ہے۔

نہیں اس رخ پہ زلف اور زیرِ زلف اس زلف کا شانہ
من میں ناگ سا لڑتا ہوا ناگن سے نکلے نین

دیکھ کر آئینے میں وہ زلف کو ہنسنے لگے — بند پانی میں پڑا طرفہ کہیں کا سانپ ہے

چاند پر دوڑتا ہے مارِ سیاہِ شبِ تار — رُخ روشن پہ ترے زلف کے بل کھانے سے

زلف یوں روے عرق آلودہ پر لہراے ہے — صبح جون ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آرہے ہے

زلف یوں چہرے پہ ہلتی ہے ہوا سے اس کے — جس طرح مارسیہ کھائے جو بل پاؤں کے بل

جس طرح مارِسیہ گل سے لپٹ جاتا ہے — زلف یوں تیری گئی ہے کلِ رخسار سے مل

جوں شانہ اسکو اے دلِ صد چاک تو نہ چھیڑ — مارِ سیہ سے کم نہیں ہر گز گزند زلف

ناگنی زلفِ پیتاں کی یہ عجب کافر ہے — کاٹ کے بیٹھی ہے یاں ہو کے دوتا اور طرف

کیا تماشا ہے تری زلف کا عکس آئینہ میں — سانپ کی طرح سے لہرائے ہے تالاب میں موج

نچوڑے زلف نہا کر جو وہ تو قطرۂ آب — وہاں پہ مارسیہ کا لعاب ہو خالص

حلقہ ہے بلا زلف کا اے پنجہ شانہ — دیکھو کہیں انگلی نہ سیہ مار کے منہ میں

اڑ کر بھی زلفِ یار سے ناگن نہ بچ سکی — جس وقت اس کے منہ پہ چڑھی مار کھا گئی

سوچتا جی میں ہوں اس زلف و در گوش کو دیکھ — سانپ کو پکڑوں کہ میں سانپ سے کان و بالیاں

نہیں اس یار کے روئے عرق آلودہ پہ زلف — اس کو چاٹتا ہے سانپ یہ پیاسا کالا

کیوں سوتے سوتے چونک پڑے خواب میں ظفر — وہ مار زلف دیکھ کے شاید ڈرے ہے تو

دکھادے کان کے بالے میں اس کو زلف الجھا کر — نہ دیکھا جس نے ہو مارسیہ سے لڑتے بچھو کو

Marfat.com
Marfat.com

کہتا ہوں دل کو زلف کی ناگن سے کر حذر جاتی پلٹ ہے دیکھ یہ بد ذات کاٹ لے

زلف آ گئی صبا سے وہ خال دمن کے پاس مارسیاہ کھیلے ہے کیا اپنے من کے پاس

ناگن سی باغ میں کوئی لہرا رہی ہے یہ یا زلف تیرے چہرہ پہ کھائے ہے بل پڑی

ہوا سے یوں جو تیری زلف عنبریں الٹی کسی کو ڈس کے یہ ناگن نہ ہو کہیں الٹی

یار کی زلف کو سنبل سے تشبیہ دنیا عام بات ہے، مگر سنئے کہ اسی عام چیز میں ظفر اپنی جدت طبع سے کیسی کیسی ندرتیں پیدا کرتا ہے۔

مجھے آئے نہ رونا دیکھ کر کیوں سنبلِ تر کو کہ پھر جائے ہے اس کی زلف دل اوپر آنکھوں میں

سنبل کی لہر سے نہ رہے پھر ہمیں مطلب یک دست جو تم کا کلِ خم دار دکھا دو

سنبل ہی کیا پریشان ہے دیکھ زلف تیری موجِ نسیم کو بھی ہے پیچ و تاب ساقی

تاحشر نہ ہو خواہشِ نظارۂ سنبل تم ہم کو اگر زلفِ گرہگیر دکھا دو

مرے مزار پہ روئیدہ کیوں نہ ہو سنبل کہ تیری زلف سے ہے دل کو پیچ و تاب ہنوز

تری زلف کے سامنے تاب کیا کہ بل باغ میں شاخ سنبل کرے

سنبل چمن میں کیوں کہ نہ ہو غرق آب شرم منھ دھو کے وہ بال سنوارے علی الصباح

اگر ہو عکس افگن یار کی کاکل سمندر میں تو پیدا جاے موجِ آب ہو سنبل سمندر میں

انھیں ہے رشک سے اس زلف پرشکن کی عجب کہ شاخ سنبل تر کھا کے پیچ و خم ٹوٹے

بیان کیوں کر بھلا ہوئے حدیث اس زلف پیچان کی نہ جب تک چل کے کیجئے سیر یکسر سنبلستا نکی

زلف اس کی پرشکن سے کیا بلا کرتی ہے بل دیکھ کھائیگی شکستیں شاخِ سنبل باغ میں

سنبل پیچان اُگے کیوں کر نہ اس کی خاک سے مرگیا جو دیکھ کر اس زلفِ عنبربو کے بل

Marfat.com
Marfat.com

ہے نہ قربان ہی رُخ قاتل خونریز پہ گل — کھاتی سنبل بھی ہے اس دلآویز پہ گل

سنبل پہ گئی اوس سی پڑ جب کہ دمِ غسل — پانی تری اس زلفِ گرہگیر سے ٹپکا

یار کے ابرو کو شمشیر سے تشبیہ ہر شاعر نے دی ہے، مگر دیکھئے کہ ظفر نے اس تلوار کے کیسے کیسے ہاتھ دکھائے ہیں۔

جب ہوگئی وہ ابروے خمدار سامنے — دی پھینک اپنے ہاتھ سے تلوار سامنے

کون ہمسر ہو سکے اس ابروے خمدار سے — دم نہ اتنا تیغ میں، نے اس قدر خنجر میں ہے

کون منت کشِ شمشیرِ اجل ہو قاتل — طاق تیرا خمِ ابرو بھی ہے خونخواری میں

قاتل کریں اک عالم کو وہ ابرو کے خم ایسے ہیں — ان شمشیروں کے ہیں مقابل دیکھو یاں ہم ایسے ہیں

کس نے دیکھا خمِ ابرو کو ہے پیمانہ میں — چل رہی آج جو تلوار ہے میخانے میں

نہیں شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میدان میں — نظر وہ دیکھ تیرا ابروے پرخم چراتے ہیں

ہے طرفہ طلسم ابروؤں میں تیرے جو دیکھے — اک قبضہ تلوار میں ہیں عربدہ کردہ

کیا زہرہ ہے اس ابرو کی بھلا تاب دمِ تیغ — ہو جائے اسے دیکھتے ہی آب دمِ تیغ
جب جنبشِ ابرو سے تری قتل ہو عالم — پھر شرم سے ہو جائے نہ کیوں آب دمِ تیغ
جان دیدیا اپنی تو شمشیر تری کو — کشتہ ہوں میں ابرو کا جو ہے آب دمِ تیغ

تیغِ ابرو سے میں جانباز ظفر سینہ سپر — ہے اجل پر نہیں دیتا ہے تلوار کے خط

ابرو پہ اس کے چین کا عالم ظفر ہے اور — جوہر نہاں تھا جو کہ شمشیر میں نہ

ابرو کو اس کی کہتے ہیں سب تیغِ اصفہان — ہے اصفہان میں کہاں ایسا خم دروغ

کہاں ہے دل میں گنجایش ترے تیغِ دو ابرو کی — میان کب اک میان دو ہم شمشیر ہوتی ہیں

جہاں کو جنبشِ ابرو سے اس نے قتل کیا — الٰہی اس کی یہ شمشیر ہل گئی تھی کیوں

Marfat.com
Marfat.com

جیسی ہے چین اس ابروے پرخم پہ خوشنما جوہر کہیں بھی ایسے نہ شمشیر پر کھلے

ابرو ہلی جو اس کی عجب سیر ہو گئی تلوار چلتے چلتے رہی خیر ہو گئی

معشوق کی مست آنکھوں کا نقشہ کس کس طرح کھینچتا ہے:

یاد چشم مست میں اس کی یہ کیفیت رہی ہوش باطن میں رہا ظاہر مجھے غفلت رہی

ہم نہ کہتے تھے کہ نرگس کو دکھامت چشم مست نیند اس کی آنکھ سے اے مست خواب اڑ جائے گی

کر دیا اک نگاہ میں بے خود چشم کافر ہے کیا خدا جانے

تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو ہم بھی دانا تھے پر اب پھرتے ہیں دیوانے سے

ہم کو اس دور میں ہو کیوں طلب ساغر سے یہ تو جب ہے کہ تری نرگسِ مخمور نہ ہو

سوفتنہ خوابیدہ بیدار ہوں اک پل میں گر خواب میں بھی دیکھے اس نرگسِ فتاں کو

مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی وہ چشمِ مست ساقی جامِ جم ہے

عین مستی میں جو تو اپنی ذرا دکھلائے آنکھ شرم سے نرگس کی گلشن میں نہ کیوں جھک جائے آنکھ

اشک آنکھوں میں اپنی کیوں نہ وہ بھر کر ساغر مے دیکھ کر جس کو تری یاد آئے آنکھ

اپنی چشم مست کی گردش نہ اے ساقی دکھا دیکھ چکر میں ابھی جامِ شراب آجائے گا

بھرا ہوا ہے تری چشم مست میں یوں ناز کہ جس طرح سے مئے ناب ہوا ایاغ کے بیچ

اٹھا کے آنکھ نہ دیکھا چمن میں نرگس نے رہا جو اس کو تری چشمِ پر حیا کا لحاظ

کرے ہے فتنہ ترے چشم فتنہ زا کا لحاظ یہ وہ بلا ہے بلا کو ہے اس کو بلا کا لحاظ

کشتہ ہوں چشم مست کا میرے مزار پر لازم ہے جام بادۂ انگور کا چراغ

روشن ہو چشم مست کے کشتہ کے گور پر روغن کی جائے بادۂ انگور سے چراغ

کیفیت اپنی چشم سیہ مست کی نہ پوچھ صوفی تمام دیکھ کے میخوار بن گئے

Marfat.com
Marfat.com

منظور ہے ظفر کو لکھے وصفِ چشم یار نرگس کے دے قلم کوئی اے ہم نشین تراش

چشم مست اس کی لے ہی جائے ہے ہوش گرچہ ہم ہو شیار رہتے ہیں

چشم اس کی خود ہے سحر نگاہیں ہیں حاجت نہیں ہے سرمہ جادو کی آنکھ میں

کاسۂ چشم تصور چھوڑ کر اپنا کبھی اے ظفؔر محو تماشا میں نہ جام و جم میں ہوں

بغیر بادہ بھی اس شوخِ خود پرست کی آنکھ نشے میں حسن کے ایسی ہے جیسے مست کی آنکھ

مشکل پسندی:

مگر ظفر کا زورِ طبع اور کمالِ فن اس وقت نظر آتا ہے، جب وہ نہایت مشکل اور سنگلاخ ردیف اور قافیے اختیار کرتا ہے، اس کی مثالیں اس کے دیوان میں اس کثرت سے ہیں کہ اس مضمون کے محدود صفحے ان کے متحمل نہ ہوسکیں گے ، گو سخن شناسی کا تقاضا تو یہی تھا کہ اس نے جتنے مشکل قوافی میں طبع آزمائی کی ہے اور جن سنگلاخ زمینوں میں جولانیاں دکھائی ہیں، ان سب کی داد دل کھول کر دی جاتی، مگر ہم تھوڑے سے اشعار پر اکتفا کرتے ہیں۔ قوافی کی مثالیں:

پارۂ ساغر و شیشہ نہیں ابرک کے ورق ساقیا کیوں کر کہوں شیشے کو عینک کے ورق

یوں ہیں لختِ دل سیپارہ مرے اشک کے ساتھ جیسے قرآن سے ہو ہاتھ میں کودک کے ورق

اس غزل میں چومک کے ورق، زردک کے ورق، چشمک کے ورق، مشک کے ورق بلبک کے ورق وغیرہ بھی قافیے ہیں:

یہ ٹکڑے خاک پہ دلہائے پاش پاش کے پھینک جو پھینکے بھی تو سرِ راہ اپنی کاش کے پھینک

ہلالِ عید فلک پر ہو منفعل کیا کیا زمین پہ ناخنِ پا تو جو دے تراش کے پھینک

ماش کے پھینک، تلاش کے پھینک، خراش کے پھینک، معاش کے پھینک، قماش کے پھینک کو استعمال کیا ہے۔

ترے بیمارِ غم کا حال ہے یہ ناتوانی سے کہ اس نے آج بستر پر ذرا کروٹ نہیں بدلی

بقیہ قوافی نٹ کھٹ نہیں بدلی، پٹ پٹ نہیں بدلی، چوکھٹ نہیں بدلی، جھٹ پٹ نہیں

Marfat.com
Marfat.com

بدلی، اٹ سٹ نہیں بدلی وغیرہ۔

دل جل گیا ہمارا جگر بھن گیا تمام الفت تمہاری شعلہ خو بھاڑ میں پڑے

کھڑکاڑ میں پڑے، تاڑ میں پڑے، چوپاڑ میں پڑے ، ہڑواڑ میں پڑے، بوچھاڑ میں پڑے، دھاڑ میں پڑے وغیرہ۔

یہ خانہ باغ ہے موجود سینۂ پرداغ جو سیر دیکھے تو وہ دل کی شہ نشین پہ ٹکے

زمین پہ ٹکے، انگبین پہ ٹکے، آتشیں پہ ٹکے، مہ جبین پہ ٹکے، نگین پہ ٹکے، یاسمین پہ ٹکے وغیرہ۔

اسی طرح مختلف سنگلاخ زمینوں میں ظفر نے جو زور طبع دکھائی ہے، وہ خاص اسی کا حصہ ہے، وہ نئی نئی زمینیں نکالتا تھا اور ان میں اشعار کہہ کر اپنی مشکل پسندی کا اظہار کرتا تھا، اس کے معترف مولینا محمد حسین آزاد بھی ہیں، جو ظفر کے تمام کلام کو ذوق کے خوانِ شاعری کی محض زلہ ربائی سمجھتے ہیں، وہ بادلِ ناخواستہ رقم طراز ہیں کہ ظفر شاعری میں طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ تھا۔

اس کی ان جدتوں کے نمونے بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ اس کا ایک ایک شعر بھی نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، کچھ نمونے ملاحظہ ہوں، خط کشیدہ قوافی میں پوری پوری غزلیں ہیں۔

جو درد ہوتا تو غل مچاتا جو سایہ ہوتا تو سر ہلاتا الٰہی دل کو مرض یہ کیا ہے نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے

ہم اپنا عشق چھپائیں تم اپنا حسن چھپاؤ کہ حیران دیکھ کر عالم ہمیں بھی ہو تمھیں بھی ہو

زبان میں ہو اثر میری تو شاید دل پھرے اس سے اگر ناصح و عادل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

بجز رونے کے ہاں چشم عنایت ہو تو کیوں کر ہو کہ بے اشک ندامت جوش رحمت ہو تو کیوں کر ہو

رباب و چنگ ہو بزم طرب ہو اور مطرب ہو دف و نے ہو، دہل ہو پھر تو چہلیں ہوں تماشا ہو

کس سے انھوں نے مہر و وفا کی جس سے لیا دل اس سے دغا کی
ان سے ہو کیا امید کرم یہ کس کے ہوئے اور کس کے ہوں گے

شرارہ سے کہتے تھے شعلے شب کو نالوں کے کہ چمکے چرخ پر اختر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

Marfat.com
Marfat.com

نہیں گل تن پہ عشق دلربا میں پھول کترتے ہیں تماشا ہم نے یہ رنج و بلا میں پھول کترے ہیں

غم نہیں ہونے نہ ہونے کا کہ بے پرواہیں ہم ہے تو ہے سب کچھ میسر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خالی نہیں خلش سے محبت کے کوئی بھی یارو کھٹکتی جان میں یہ گل کی پھانس ہے

ظفر کی طبیعت کو مشکل زمینوں میں جولانی دکھانے میں خاص مناسبت تھی، وہ خود کہہ گیا ہے کہ۔

دل اپنا فکر غزل میں ظفر نہیں لگتا زمیں غزل کی نہووے اگر انوکھی سی

اور اس مشکل پسندی کو وہ اپنا امتیاز سمجھتا ہے۔

زمین سہل میں تو ہیں سبھی کچھ شعر کہہ لیتے ظفر لکھتے غزل جو ایسی مشکل ہیں تو آپ ہی ہیں

ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

ظفر مشکل پسندی تیری سی اب کس کو آتی ہے سخنور دیکھ کر یہ طرزِ مشکل ہاتھ ملتا ہے

ایک جگہ تو چیلنج دیتا ہے:

ظفر ان قافیوں میں کہہ نہیں سکتا غزل کوئی اگر کہتا بھی ہے تو تجھ سے صلاح غزل لے ہے

ظفر کی یہ تعلی ایک حد تک بجا ہے، اس کے ہمعصر شعراء میں سے کسی نے بھی ایسے سنگلاخ قافیوں ردیفوں اور زمینوں میں غزل نہیں لکھی ہے، انشاء اور شاہ نصیر کے یہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں، مگر اتنی نہیں۔

ظفر اور اساتذۂ فن:

ظفر کا زورِ طبع اسی پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ ریختہ کے جتنے باکمال شعرا گذرے ہیں، ان کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں، ان کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں۔

میر فائدہ مصر میں یوسف رہے زنداں کے بیچ بھیج دے کیوں نہ زلیخا اسی بہتان کے بیچ

ظفر دم میں دم میرے نہیں جان نہیں جان کے بیچ زلف لیا کہتی ہے جھک جھک کے ترے کان کے بیچ

Marfat.com
Marfat.com

درد دیکھیے جس کو یاں اوسے اور ہی کچھ دماغ ہے — کرمک شب چراغ بھی گوہر شب چراغ ہے
ظفر دنیا فروغ دل میں محبت کا داغ ہے — رہتا بغیر داغ پہ گھر بے چراغ ہے
انشاء بنا کے چھوڑ دوں جوانیوں کا شراب میں سانپ — تو صاف آوے نظر جرمِ آفتاب میں سانپ
ظفر اگر شراب کی موجیں، بنیں شراب میں سانپ — خط شعاع سے لہرائیں آفتاب میں سانپ
مصحفی سر مشک کا ہے تیرا تو کافور کی گردن — نے موے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن
ظفر دیکھے جو ہمارے بت مغرور کی گردن — غلماں کے تن سے ہوا جدا حور کی گردن
آتش ذرّہ خورشید ہو پہونچے جو در یار کے پاس — سایہ بن جائے ہما لوٹ کے دیوار کے پاس
ظفر آبلہ سینہ پہ ہے میرے دلِ زار کے پاس — یا کہ شیشہ سا دھرا ساقی سرشار کے پاس
ناسخ ایک شب جو تیری محفل میں نہ پائے بار شمع — صبح ہوتے ہوتے ہو مانند رشتہ زار شمع
ظفر دریا بہائے گرمژہ اشک بار شمع — تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع
شیفتہ دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے — کیا اثر نالۂ شب گیر ہے
ظفر شوق خار دشت دامن گیر ہے — اور مجنون پائے در زنجیر ہے

غالب کا طرز بیان اور ان کی نکتہ آفرینیاں اپنی جگہ پر لیکن ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ظفر نے اپنے استاد کی تقلید میں جو اشعار کہے ہیں، وہ بھی ذرا سن لیجیے۔

غالب	ظفر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو	کیا ذکر کچھ کلام میں واعظ کے ہو مزا
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر	محفل میں وصفِ بادۂ ساغر کہے بغیر
سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں	واہ اس صورت کدے میں دیکھتے ہی دیکھتے
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہوگئیں	صورتیں کیا کیا نظر سے اپنے پنہاں ہوگئیں
وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار	جس سے چار آنکھیں تری اے آفتِ جاں ہوگئیں
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگاں ہوگئیں	تیر سی اس کے جگر کے پار مژگاں ہوگئیں
نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں	اے ظفر دل کی پریشانی کا ہے میرے اثر
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں	یہ جو اس کافر کی زلفیں ہیں پریشاں ہوگئیں
اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ	یہاں تک ہے ذوق دشت نوردی کہ دوں نکال
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں	میں اپنے بعد مرگ بھی باہر کفن کے پاؤں

Marfat.com
Marfat.com

مومن کی ایک غزل کا مطلع:

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

ظفر نے قافیہ کے تغیر کے ساتھ اسی ردیف میں کئی غزلیں کہی ہیں۔

جوش گریہ کا برا ہو کہ ترے نامہ کو دیا آنکھوں سے بھی ہم کو نہ لگانے کاغذ
دل بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتوں سے نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ

ظفر سے متقدم اور اس کے معاصر شعراء کی غزلوں کے مقابلہ میں اس کی غزلیں نقل کی گئی ہیں ان کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ:

ظفر تیرے سخن کے روبرو کس کا سخن چمکے سخن کی تاب و طاقت ہی نہیں رہتی سخندان میں

یا

سخنوری میں ظفر کون تم سے ہو ہمسر خدا نے ہے تمہیں دل و دماغ دیا

بلکہ صرف اس قدر دکھانا مقصود ہے کہ:

ظفر کہتے ہیں ہم بھی وضع استادانہ رکھتے ہیں

ظفر و میر:

اوپر غزل کے ظواہر میں باکمال شعراء کے کلام کے مقابلہ میں ظفر کی طبع آزمائی دکھائی گئی ہے، معنوی حیثیت سے بھی اس کے کلام میں مختلف اساتذہ کا رنگ پایا جاتا ہے، میر کے رنگ میں کہتا ہے۔

تیرے جس دن سے خاک پا ہیں ہم خاک ہیں لیک کیمیا ہیں ہم
تیرہ بختی میں ہیں یہ بخت سفید کیا مگر سایۂ ہما ہیں ہم
ہم ہیں جوں زلف و عارض خوباں گو پریشان ہیں خوشنما ہیں ہم [1]

یہ کراہا تیرا بیمار الم درد کے ساتھ کسی ہمسایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں نگہبانوں کو میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

---

[1] اسی قافیہ اور ردیف میں میر کی غزل کا مطلع ہے۔

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم

میر کی اس غزل پر مخمس بھی لکھا ہے، جو اس کے دیوان جلد اول پر ملاحظہ ہو۔

Marfat.com
Marfat.com

بالیں پہ اس کے شور مچاؤ نہ ہمدمو — نازک بہت ہے عشق کے بیمار کا دماغ
یہاں تلک روئے جدائی میں ترے دن رات ہم — اشک کی جا چشم سے لخت جگر پیدا ہوا

میرؔ کے طرز پر چھوٹی بحروں میں بھی غزلیں لکھی ہیں مثلاً

گور کنج فراغ ہے اپنا — داغ اپنا چراغ ہے اپنا
کون کنجِ حزن میں ہے دمساز — ایک دل سوز داغ ہے اپنا

دردِ دل دردِ آشنا جانے — اور بے درد کوئی کیا جانے
ہو نمک سود گر نہ زخم جگر — دل محبت کا کیا مزا جانے

میر اور ظفر کے ملتے جلتے ہوئے مضامین:

میر:

کیا عشق خانہ سوز کے دل میں چھپی ہے آگ
اک سارے تن بدن میں مرے پھک رہی ہے آگ

ظفر:

داغ دل میں آگ لخت دل میں چشم تر میں آگ
عشق کی سوزش سے ہے پھیلی ہوئی گھر گھر میں آگ

میر:

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہوگئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

ظفر:

ہو گیا میں خاک جل کر پر وہی ہے سوزِ دل
اپنے دامن کو بچاے میرے خاکستر میں آگ

Marfat.com
Marfat.com

میرؔ:

یارب ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہیں چھاتیاں
یہ کیسے عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہے آگ

ظفرؔ:

جی جلائیں کیوں نہ میرا یہ بتاں سنگ دل
دل ظفر ان کا ہے پتھر اور ہے پتھر میں آگ

میرؔ:

اللہ ری عندلیب کی آواز دلخراش
جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

ظفرؔ:

آجائے گر ہوائے گلستان قفس تلک
بلبل کا دم ہوا ہو یہ کہہ کر کہ ہائے گل

میرؔ:

تیری ہی جستجو میں گم ہوا ہے کہ کہاں کھویا
جگر خون کشتہ دل آزردہ میرا اس خانہ ویران کو

ظفرؔ:

تجھے دل دے کے میں اے کافر بے مہر کھو بیٹھا
خرد کو ہوش کو طاقت کو جی کو دین و ایمان کو

ظفر میر کے رنگ میں خود میر صاحب کی روح سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے۔

یہ غزل پڑھتے اگر بزم سخنداں میں ظفر کیوں کہ تحسین کے لئے پھر نہ سر میر ہلے

ناسخ وظفر:

ظفر کی قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ وہ متضاد رنگ میں کامیاب طبع آزمائی کرتا ہے ناسخ

Marfat.com
Marfat.com

اور میر کا اختلافِ ذوق ظاہر ہے، مگر میر کے بعد جب وہ ناسخ کے رنگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو وہ رندمشرب عاشق بن جاتا ہے اور اس کوچہ کا بھی ویسا ہی کامیاب رہِ نوردنظر آتا ہے، مثلاً:

کرتا ہے قتل وقت جواب سخن مجھے ہنس دینا ان کا اور نہ کہنا حجاب سے

اللہ رے شرم آئے جو وہ شب کو خواب میں پنہاں رکھا حجاب سے منہ کو نقاب میں

کبھی افسوس وہ اور ہم نہ محفل میں بہم بیٹھے جو ہم اٹھے تو وہ بیٹھے جو وہ اٹھے تو ہم بیٹھے

وصل کی رات نہ باتوں میں گذار و ساری بس گلے ہو چکے گر ہیں تو سحر پر رکھو

جس کو سمجھے لب پان خوردہ وہ مالیدہ مسی مرد مان دیکھئے پھولی وہ کہیں شام نہ ہو

ہے ڈوپٹہ سرخ جو وہ رشک گل اوڑھے ہوئے باغ میں گل برقع خجلت میں گل اوڑھے ہوئے

گلوں کے ہونگے گریباں چاک گلشن میں رہیں گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

نہیں ہے سرخ وہ موباف جعد مشکیں پر بغور دیکھ ظفر ہے بہار شام شفق

جھلک رخسار آتشناک کی بجلی سی کوندے ہے ہوا کے جھوکے اس غرنے پر جب چلمن ہلاتے ہیں

یہ معاملہ بندی جس طرح ناسخ کے یہاں اعتدال سے بڑھ کر رکیک ونحیف بن گئی ہے، اسی طرح ظفر کے یہاں بعض اوقات بہت ہی مبتذل ہوگئی ہے، مگر اس قسم کے خارجی مضامین میں ناسخ کے ساتھ طبع آزائی کر کے ظفر اپنی تحلیل نگاری اور مضمون بندی کا بھی ثبوت دیتا ہے۔ مثلاً:

ناسخ:

کیا اثر پھیلا ہے تیرے روے آتشناک کا
صورتِ مجمر ہے دیواروں کے ہر روزن میں آگ

ظفر:

حلقہ و زلف میں ہے اس کا رخ آتشناک
لجۂ حسن کی روشن ہوئی گرداب میں آگ

Marfat.com
Marfat.com

ناسخ:

اس قدر سوزش ہے اے جراح میرے زخم میں
لگ اٹھے گی دم میں تنکے کی طرح سوزن میں آگ

ظفر:

ہے شرار اشک خون سے چشم طوفان زامیں آگ
عشق کی گرمی سے دیکھو لگ گئی دریا میں آگ

ناسخ:

میری آنکھوں سے اگر بختِ دل سوزاں گرے
بولے ہمدم دیکھئے ہے آپ کے دامان میں آگ

ظفر:

تیرے دیوانے کی آنکھوں سے جو ٹپکے اشکِ گرم
کیا تعجب گر لگادے دامنِ صحرا میں آگ

آتش وظفر:

آتش

مے نے کئے عذاربتِ شوخ و شنگ سرخ
کندن کا اور آگ میں ہوتا ہے رنگ سرخ

ظفر:

کب چشم سرمہ سا ہے تری مست خواب سرخ
اس جامِ نیلگوں میں ہے رنگ شراب سرخ

آتش:

دل دوستی بت کا نہ پابند ہو یارب
دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ

Marfat.com
Marfat.com

ظفر:

فرہاد بسر آتا ہے اس عشق سے شیریں
پر کیا کرے جو دب گیا پتھر کے تلے ہاتھ

آتش:

تبدیل شب وصل سے ہو روز جدائی
بالش کے عوض ہو سر دلبر کے تلے ہاتھ

ظفر:

ہے جی میں تمنا یہ کہ سوتے ہیں تو گاہے
آجائے مرا عارضِ دلبر کے تلے ہاتھ

آتش:

مستی میں طلب گار تو ساقی سے ہے مے کا
کاٹوں گا میں کانپے گا جو ساغر کے تلے ہاتھ

ظفر:

دل ہاتھ میں اس کا لیا پر ہے یہ ظفر حال
جنبش میں رہے جیسے کہ ساغر کے تلے ہاتھ

آتش:

پاؤں کو ان کے چھوا میں نے تو ہنسکر بولے
کاٹے جاتے ہیں تو ایسے ہی گنہگار کے ہاتھ

ظفر:

میں نے چوری سے جو شب زلف کو چھیڑا تو کہا
کاٹنے چاہئے اس دزد سیہ کار کے ہاتھ

Marfat.com
Marfat.com

آتش:

کرتا ہے ناز وہ شہِ خوبان نئے نئے
آئین تازہ تازہ ہیں فرمان نئے نئے

ظفر:

نازو ادا ۔ و غمزہ تو ہیں شیوۂ قدیم
انداز ان کے اور ہیں اکثر نئے نئے

آتش:

رخسار خط نکالے گا اس شاہِ حسن کا
پیدا کرے گا مور سلیمان نئے نئے

ظفر:

آغاز خط سے کیا ہی نکالے ہیں دیکھنا
طوطی باغ حسن نے یہ پر نئے نئے

آتش:

خاک چھنوا رہی ہے کوچۂ قاتل کی تلاش
ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے

ظفر:

دے کے دل قاتل بے رحم کو پھیروں کیوں کر
کہ نہ تقدیر پھرے ہے نہ قضا پھرتی ہے

اور کہیں کہیں تو زور بیان میں ظفر آتش سے سبقت لے جاتا ہے، مثلاً

آتش:

پھوٹا لحد میں دل کا پھپھولا تو دیکھنا
ہو جائے گا مزار کا آتش کے سنگ سرخ

Marfat.com
Marfat.com

ظفر:

خون جوش میں ہے تیرے شہیدوں کا زیرِ خاک
نکلا زمین کے پردے سے جو آفتاب سرخ

آتش:

سوزشِ دل کا بیاں کچھ کچھ کیا تھا رات کو
موم ہو کر بہ گئی سن کر مرا افسانہ شمع

ظفر:

دریا بہائے گر مژہ اشک بار شمع
تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

آتش:

داغ دل کی روشنی کافی ہے آتش گور میں
غم نہیں اس کا نہ ہو اپنے سر مدفن چراغ

ظفر:

اس دل جلے کو چاہئے کیا گور کا چراغ
ہے داغ دل ہے کشتہ رنجور کا چراغ

آتش:

کٹواتی ہے سر شمع جو ثابت قدمی سے
آنسو بھی نہ اندیشۂ گلگیر سے ٹپکے

ظفر:

ہر اک آنسو کا قطرہ ہے جو دانہ کہربا کا سا
دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

Marfat.com
Marfat.com

آتش:

جوشِ جنوں نے گو کہ مجھے زرد کر دیا
چہرے کو میرے رکھتے ہیں لڑکوں کے رنگ سرخ

ظفر:

ہے میرے اشکِ خون سے ظفر راہِ عشق میں
ہر سنگ ریزہ صورتِ لعلِ خوش آب سرخ

سراپا نگاری:

سراپا نگاری کا جتنا مکمل نمونہ ظفر کے یہاں ہے، وہ کسی اور شاعر کے یہاں نہیں، معشوق کے اوصاف ولوازم کی قلمی تصویر کھینچنے میں اس نے پوری پوری غزلیں کہی ہیں، جن میں زیادہ تر رنگ تو ناسخ و آتش کا ہے، لیکن بعض اوقات زبان کی سادگی، بیان کی بے تکلفی اور خیالات کی برجستگی میں ظفر، ناسخ و آتش سے بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً ظفر زلفِ یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دیتا ہے۔

کھول کر زلفِ سیہ اس نے جو دیکھا آئینہ — صاف دریا پر نظر کالی گھٹا سی آگئی

کھول دی اس نے عرق افشاں جو وہ زلف دراز — کیا زمین سے جھوم کر بدلی برسنے لگ گئی

زلف کو کھول کے آئینہ جو دیکھا تو نے — رنگ بدلی نے بھی کیا کیا لب جیحون بدلے

ڈھانپ لے منہ کو قمر سے وہیں دامان سحاب — تیرے عارض پہ اگر زلف سرکیلیہ ہے

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا شب کو — اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

آتش اور ناسخ نے بھی زلفِ یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دی ہے، مگر ان کے یہاں صرف ایک ایک شعر ملتا

آتش — کم نہیں کالی گھٹا سے یار کی زلف سیاہ — دیکھ لے طاؤس کا دل تو چلانے لگے

ناسخ — ہمیشہ رہتی ہیں زلفیں عذار تاباں پر — عجب ہے چاند کہ ہوتا نہیں سحاب جدا

زلفِ یار کی ناگن، سنبل اور زنجیر سے تشبیہیں آتش، ناسخ اور ظفر کے یہاں بکثرت ہیں، مگر

Marfat.com
Marfat.com

مندرجہ ذیل اشعار ظفر کی ندرتِ تخیل اور جدتِ طبع کا نتیجہ ہیں، جو ناسخ اور آتش کے یہاں نہیں۔

زلف یوں روئے عرق آلودہ پر لہرائے ہے — صبح جون ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آئے ہے

زلف یوں چہرے پہ ہلتی ہے ہوا سے اس کے — جس طرح مارسیہ کھائے ہے بل پاؤں کے بل

رُخ گلنار پر تیرے کہاں ہے زلفِ خم گشتہ — بہم اے بحر خوبی حلقہ گرداب و آتش ہے

رُخ گلنار پر عرق گرا بر تر بن جائیگی — برق تو میری بھی آہ پر شرر بن جائیگی

ہٹا دو زلف کو تم مصحف رُخ سے غضب یہ ہے — کہ پھیلے سوے قران پاؤں اس کج طبع کافر کے

خدا محفوظ رکھے اس صنم کی زلف سے دل کو — کہ یہ سیدھا مسلمان اور وہ کج طبع کافر ہے

زلف اس روئے کتابی پر ظفر — سورۂ واللیل ہے قرآن میں

مصحفِ رخسار پر کافر ترے گیسو ہیں دو — ہے تماشا حافظ قرآن ہوئے ہندو ہیں دو

لٹکی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف — ایسا خط تعلیق میں بھی لام نہ پایا

''خالِ رخ یار'' پر ظفر نے جو مضمون بندی کی ہے، وہ بھی آتش اور ناسخ کے یہاں نہیں مثلاً:

چشم مست بت مے نوش پہ یہ خال نہیں — نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

خال ہے دنبالہ چشم فسوں گر کے تلے — نیلوفر کا پھول ہے یا شاخ عنبر کے تلے

خال رخ پر زلف کب وہاں سربسر جبیدہ ہے — شاخ سنبل نیلوفر پر یہ مگر جبیدہ ہے

خال اب نہ تہِ زلف سیاہ فام دکھاؤ — تارا مجھے مت ایک سرشام دکھاؤ

نہیں رخسار پر اس مہ جبیں کے خال کاجل کا — خدا جانے کہ یہ کن تیرہ بختوں کا ستارا ہے

خالِ رخ یار کا کشتہ ہوں — لایا گردش میں ستارا مجھے

دیکھے ہے خالِ رخ یار کو یوں طائرِ دل — دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہوا گیر کی آنکھ

Marfat.com
Marfat.com

سورۂ صاد ہے چشم اس کی کہ جس پر یہ ظفر — خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق

اے ظفر اس خالِ رخ پر بال زلفوں کے نہیں — من سے اپنے ہیں یہ کالے لہر کھا کر کھیلتے

یہ سیاہی سے لکھا مضمون خال رخ ترا — ہے بیاض ماہ پر تنویر میں لکھا ہوا

چشم یار کو ناسخ اور ظفر جام سے تشبیہ دیتے ہیں، مثلاً:

ناسخ کر دیا ہے یاد چشم و گردن جاناں نے مست — سامنے سے ساقیا اب شیشہ و ساغر اٹھا

ظفر ہم کو اس دور میں ہو کیوں طلب ساغر سے — یہ تو جب ہو کہ تری نرگسِ مخمور نہ ہو

ناسخ چشم ساقی سے نہ کیوں عشق ہو میرے دل کو — کون شیشہ ہے بھلا جس کو نہیں جام سے کام

ظفر مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی — وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

قامتِ یار پر ناسخ، آتش اور ظفر تینوں نے طبع آزمائی کی ہے۔

ناسخ کون ہے جو نہیں مرتا ہے تری قامت پر — کیوں نہ ہو سرو چمن قالب بیجاں ہوتا

آتش سرو گڑ جائیں گے گل خاک میں مل جائیں گے — پانوں رکھے تو چمن میں وہ سرفراز اپنا

ظفر صدقے اے رشکِ چمن اس قدموزوں کے ترے — سیدھا ایسا کوئی سروچمنی ہووے تو ہو

نزاکتِ یار پر آتش و ظفر کی شاعرانہ تخیل دیکھیے:

آتش وہ نازنین یہ نزاکت میں کچھ یگانہ ہوا — جو پہنی پھولوں کی بدھی تو درد شانہ ہوا

ظفر کیا نزاکت ہے کہ کل عکس درگوش سے آہ — یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے میں

آتش نہ یہ نزاکت پری میں دیکھی نہ حور میں یہ نزاکت آتش — جو ہار پھولوں کا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا

ظفر چہ شد اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس — بوجھ ڈالے تو کچلتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہیں، لیکن ظفر کے اشعار میں نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان میں تکلف، تصنع اور آورد نہیں، شاید اسی وجہ سے لہہ گیا ہے کہ:

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن میں استاد — کیوں نہ قائل ہوں ترے ناسخ و آتش دونوں

Marfat.com
Marfat.com

محمد اقبال مجددی ذخیرہ لاہور

خاتمہ:

ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے گراں خاطر ہو رہی ہوگی، مگر یہ طوالت شاید اس کا ردعمل ہے کہ ظفر جس نے ہزاروں اشعار کہہ کر اپنے خونِ جگر کو کاغذ کے صفحوں پر بہایا ہے، عام طور سے یا تو ادنیٰ درجہ کا شاعر یا ذوق کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے۔

انصاف ہی جب اہلِ سخن میں نہ ہو ظفر چاہے سخن کی اپنی کوئی ان سے داد خاک

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہونچا، جنھوں نے اس کے دیوان کے مجموعوں کو سرتاپا ذوق کی طرف منسوب کر دیا، چناں چہ ایک زمانہ تک اہلِ نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھ کر قابلِ التفات نہیں سمجھتے تھے، لیکن اربابِ بصیرت نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا، پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کی آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہلِ ذوق کی طبیعتیں بھی بدل گئیں، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پردازی اور دونوں کی دل نشین فارسی ترکیبوں کے سامنے ظفر کی سادگی پھیکی اور بے مزہ ہوگئی۔

ظفر کی شاعری میں غالب اور مومن کی معجز طرازیاں نہ سہی، لیکن قادر الکلامی کا دائرہ اتنا تنگ نہیں، جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، قلعہ معلیٰ کی زبان اور محاورات کو اپنی شاعری میں محفوظ کیا اور اپنے زورِ طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہیں کہہ سکتے ہیں؟

سخن دان وسخن گویوں تو دنیا میں ہزاروں ہیں ظفر پر ہم نے تری سی سخن گوئی نہیں دیکھی

بے شبہ اوس کی شاعری معائب سے خالی نہیں، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے۔

آج کس اہلِ سخن کو اس قدر مقدور ہے کر سکے جو اے ظفر تیرے سخن پر اعتراض

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہوں، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہوں گے، اس کے دیوان میں مبتذل اور ادنیٰ درجہ کے اشعار ضرور ہیں، خصوصاً جب وہ اپنے رنج والم اور اندوہ وغم کو

Marfat.com
Marfat.com

بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے، تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہیں یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینوں کی خاطر اشعار کہتا ہے، تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہیں، ان کو احساس تھا کہ قوافی اور زمینوں میں اعلیٰ معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

ظفر ہے تیری غزل کی وہ سنگلاخ زمین　　کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلیں لکھتا ہے اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلّی کرتا ہے۔

جنھیں سخن کا ہے دعوی ذرا کہو ان سے　　کہ ایسی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر پر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے۔

کوئی غزل پر اپنی جو ناز ان آگے تیری غزل کے ہو　　شعر سنا دے اس کو ظفر اک اس میں کا اک اس میں کا

یعنی ظفر خود اس کا خواہاں تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی اور نہ کوئی اس کا قدر دان پیدا ہوا کہ میر اور غالب کی طرح اس کے دیوان سے بھی اچھے اور عمدہ اشعار منتخب کر کے ایک مجموعہ تیار کرتا، اب بھی اگر کسی صاحب ذوق کی کوشش سے اس کے دیوان کا انتخاب شائع ہو جائے، تو یہ کہنے میں تامل نہ ہوگا کہ:

پروئے تو نے کیا تارِ سخن میں گوہر معنی　　ظفر تحسین کنان محفل میں اب سارے سخندان ہیں

اور شاید یہ بھی کہ

ترا سخن وہ مزے دار ہے کہ حشر تلک　　رہیں گے اس کے ظفر طبع نکتہ دان پہ مزے

جولائی تا نومبر ۱۹۳۸ء

Marfat.com
Marfat.com

Marfat.com
Marfat.com